R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 01 Issue:12 SEPTEMBER-2016

ادارہ ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی طرف سے

طلبہ کے لیے شاندار تحریری انعامی مقابلہ

دینی اداروں کے طلبہ کے اندر تحریری صلاحیت کو فروغ دینے کے لیے ادارہ پیغام شریعت دہلی یہ اعلان کر کے خوشی محسوس کرتا ہے کہ ان کے لیے ایک تحریری انعامی مقابلہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔لہٰذا طلبہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔درج ذیل عناوین میں سے کسی ایک عنوان پر لکھیں،اور اپنے اندر تحریر و قلم کا جوہر پیدا کریں۔ اس مقابلے میں حصہ لینے والوں کو تین گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ابتدائی درجات۔درمیانی درجات۔منتہی درجات۔ہر گروپ میں اول دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو ایک ایک ہزار نقد اور ترتیب وار فتاوی رضویہ (۳۰ جلدیں)،فتاویٰ شارح بخاری،اور بہار شریعت مع فتاویٰ فیض الرسول بطور انعام دیے جائیں گے۔اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے پچیس طلبہ کے نام رسالہ پیغام شریعت ایک سال کے لیے مفت جاری کیا جائے گا۔اور تمام شرکا کو اعزازی سند سے نوازا جائے گا۔نیز ان میں سے منتخب مضامین پیغام شریعت کے قریبی شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

عناوین برائے تحریری مقابلہ

ابتدائی درجات:(اولی/ثانیہ/ثالثہ)	درمیانی درجات:(رابعہ/خامسہ/سادسہ)	منتہی درجات:(سابعہ/ثامنہ/تخصص)
• سیرت رسول میں عفو و درگزر کے واقعات	• عہد مرتضوی اور بدمذہبوں پر داروگیر	• تفسیر آیات میں شان نزول کی حیثیت
• عہد صدیقی کے اہم کارنامے	• بدعت کا مفہوم،اقسام اور اطلاقات	• فقہی تحقیقات اور ترقی یافتہ سائنس
• عہد فاروقی اور اسلامی فتوحات	• واقعہ کربلا کے محرکات اور نتائج	• دہشت گردی کا رد اقوال رسول کی روشنی میں
• عہدی عثمانی کے تجدیدی کارنامے	• دینی علوم اور کمپیوٹر ٹکنالوجی	• تعصب اور تصلب کا جوہری فرق
• میرا مادر علمی۔تعارف اور خدمات	• میری پسندیدہ شخصیت۔تعارف اور خدمات	• صوفیائے متقدمین سے کسی ایک کا تعارف

ضروری ہدایات

☆صفحات کی تعداد:فل اسکیپ پر کم از تین صفحات۔زیادہ کی کوئی قید نہیں۔☆کہیں سے مواد اخذ کریں تو من وعن نقل نہ کریں،بلکہ انھیں اپنے الفاظ اور اسلوب میں ڈھالیں،اور حوالہ میں یوں لکھیں (مفہوماً/ملخصاً) ☆کہیں سے کوئی مختصر اقتباس نقل کریں تو اس کا حوالہ ضرور دیں ورنہ سرقہ قرار دیا جائے گا۔

☆املا اور زبان و بیان پر خصوصی توجہ دیں

نوٹ:تمام مضمون نگار اپنے ادارہ کے کسی استاذ سے اپنے نام و جماعت کی توثیق مع دستخط و موبائل نمبر درج کرالیں اور اپنے مضامین اس پتے پر ارسال کردیں۔

Paighame Shariat Monthly
House 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali, Matial Mahal Jama Masjid Delhi-6
بذریعہ ای میل بھیجنے کے لیے مضمون اردو میں کمپوز شدہ ہونا چاہیے۔ای میل کا پتہ: Paighameshariat@gmail.com

مضمون جمع کرنے کی آخری تاریخ: ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۶ء

مزید تفصیلات کے لیے بذریعہ ای میل یا فون رابطہ کریں۔یا فیس بک پروزٹ کریں

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim

Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali,
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

فہرست مضـــامین

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

امریکی صدارتی انتخابات 2016 اور عالم اسلام کے تحفظات

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

امریکہ کے تعلق سے عالم اسلام میں دو متضاد قسم کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف تو کچھ لوگ قلب و دل و نگاہ سب کچھ امریکیوں کے لیے فرشِ راہ کیے دیتے ہیں، کہیں امریکی شہری کے لیے استقبالیہ سلام کے ساتھ احترام کے کچھ اضافی جذبات بھی نچھاور کیے جاتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں جو امریکہ کو اپنا پیدائشی حریف مان کر اپنے صغائر و کبائر اسی کے کھاتے میں ڈالتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنی بدہضمی کے پیچھے بھی امریکہ کی سازش نظر آتی ہے۔

امریکہ دراصل کسی کی جاگیر نہیں بلکہ دنیا بھر کے مہاجرین کا کیمپ ہے۔ ایک وسیع خوبصورت اور منظم کیمپ۔ دنیا بھر سے لوگ آتے گئے اور کارواں بنتے بنتے یہ ملک وجود میں آیا۔ جو پہلے آئے اِس کے تعمیری ڈھانچے کی بنیاد انھوں نے ڈالی، اور جن مہربانوں نے آتے آتے دیر کر دی وہ اس کی تعمیر کا حصہ تو نہ بن سکے لیکن ان کی کوشش یہ رہی کہ اس معاشرے میں اپنا معتبر مقام بنالیں۔ تیرہ ریاستوں نے مل کر ایک وفاق بنایا، پھر تدریجاً باقی ۳۷ ریاستوں کو از راہِ کرم اس وفاق میں شامل کرلیا گیا جس سے پچاس ریاستوں پر مشتمل ریاستہائے متحدہ امریکہ کا خاکہ تیار ہوگیا، جس کے نتیجے میں تیرہ لکیروں اور پچاس ستاروں کا ایک قومی پرچم وجود میں آیا۔

جب تک روس امریکہ کا حریف رہا بشمول چاند کا چاند سا چہرہ روندنے کے دنیا کے ہر معاملے میں پیش قدمی کرنے پر امریکہ کو جذباتی طور پر ابھارتا رہا۔ اب وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا تو دنیا بھر کی اقتصادی اور سفارتی قیادت خود بخود اس کی اکیلی جھولی میں آ گئی۔ دولت وحشمت اسے چھپر پھاڑ کر ملی ہے، جبھی تو دنیا کی سب سے مالدار قوم اسی خطے میں بستی ہے۔ عالمی تجارت کو یہیں سے کنٹرول کیا جاتا ہے، بازار حصص اور شیر مارکیٹ کی لگام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اقوام متحدہ کی نکیل بھی اسی کے پاس ہے۔ عالمی بازار کا معیار جس قیمت سے طے کیا جاتا ہے وہ اسی کی کرنسی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ تعارف کہ سینئر بش اور جونیر بش دونوں باپ بیٹے اسی ملک کے صدر گزرے ہیں۔ اگر اس ملک کی تاریخ کی تلاش میں تین سو سال پیچھے چلے جائیں تو پتھروں کے دور میں پہنچ جائیں گے، اور جنگل، پہاڑ اور ریگزار کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا، لیکن مہاجرین کی یہ نئی بستی اس لیے ساری بستیوں پر غالب آ گئی کہ اس کے ایمیگریشن ایکٹ نے دنیا بھر کا دماغ کشید کر کے امریکہ بسایا ہے۔

اب معاملہ آتا ہے خارجہ پالیسی کی بھول بھلیوں کا۔ جس کا ٹرننگ پوائنٹ گیارہ ستمبر کا حملہ ہے، جس کے بعد پوری دنیا کے حالات یک سر بدل گئے۔ افغانستان میں القاعدہ اور طالبان کا قلع قمع کرنے کے بعد بش جونیر نے عالمی برادری کو یہ دہائی دی کہ عراقی صدر صدام حسین امن عالم کے لیے خطرہ ہے، اور برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیر کو ہم نوا بنا کر عراق پر فوج کشی کی اور صدام کو تختۂ دار تک پہنچا دیا، مگر عراق جنگ کے نتیجے میں پوری دنیا کو دہشت گردی کی آگ میں جلتا ہوا چھوڑ کر یہ دونوں دوست اپنے اپنے رنچ پر زندگی کے باقی ایام گزارنے چلے گئے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ عراق جنگ کے تعلق سے لاس اینجلس سے لے کر سڈنی تک جنگ کے خلاف مظاہرے کیے گئے، دنیا بھر کے جذبات دھرے کے دھرے رہ گئے، اور ہوا وہی جو اِن دو دوستوں نے چاہا۔

صدر اوباما اس وعدے پر منتخب ہو کر آئے کہ جنگ بند کریں گے، اور افغانستان سے اپنی فوج واپس بلائیں گے، جس میں کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن جس وسیع پیمانے پر جنگ کی آگ لگائی گئی تھی اس کی آخری چنگاری تک ختم کرنا اتنا آسان نہیں تھا، بالآخر صدر اوبامہ کا آٹھ سالہ دور اقتدار بھی ختم ہونے پر آیا۔ اب پھر ساری دنیا کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں کہ اگلا بہادر کون ہوگا؟

امریکی صدارتی انتخابات مسلم دنیا کے لیے اس لیے بھی اہم ہیں کہ عالمی سیاست پر امریکی اقتدار اعلیٰ کے اثرات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ خصوصاً مشرق وسطی کے حالات، افغانستان، عراق، شام، فلسطین جیسے مسائل وہائٹ ہاؤس کی سرگرمیوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ خود امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے بھی بہت اہم ہے کہ اب اقتدار اعلیٰ کس کے ہاتھ جاتا ہے۔

امریکہ کے ۴۵ ویں صدر کے انتخاب کے لیے آئندہ ۸؍نومبر کو الیکشن ہونا طے ہے۔ جس کے لیے ابتدائی تمام مراحل طے کرتے ہوئے دو امیدوار آمنے سامنے آگئے ہیں۔ ایک ڈیموکریٹک پارٹی سے ہیلری کلنٹن جو سابق صدر بل کلنٹن کی بیوی ہیں، دوسرے ریپبلکن پارٹی سے ڈونالڈ ٹرمپ، جو بڑے بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ متنازعہ بیانات کے لیے مشہور ہو گئے ہیں۔

آنے والے انتخابات پر پوری دنیا کی نظر اس وجہ سے نہیں ہے کہ تاریخ میں پہلی بار دنیا کے سب سے طاقت ور عہدے کے لیے ایک مرد کا سیدھا مقابلہ ایک عورت سے ہے۔ بلکہ اس کی وجہ ریپبلکن پارٹی کے امیدوار ڈونالڈ ٹرمپ کے پیہم متنازعہ بیانات ہیں جن میں خصوصاً مسلمانوں کے خلاف بیانات۔ بنیادی طور پر امریکہ کی کوشش رہی ہے کہ داخلی اور خارجی سطح پر یہ باور کرائے کہ رنگ ونسل یا مذہب کی بنیاد پر تمیز ہمارے معاشرے کا حصہ نہیں۔ اور اب تو مسلمان امریکہ میں ایک سرگرم قوم کی حیثیت سے شامل ہو چکے ہیں تو انھیں نظر انداز کرنا کسی کے لیے آسان نہیں۔ لہٰذا ٹرمپ کے مسلم مخالف بیانات سے امریکی سیاست میں ایک بھونچال سا آ گیا ہے۔

امریکہ میں اندازاً 33 لاکھ سے زائد مسلمان بستے ہیں۔ سترہویں صدی میں جب افریقہ سے بڑی تعداد میں غلام امریکہ لائے گئے تھے ان میں ایک چوتھائی سے زیادہ مسلمان تھے۔ انیسویں صدی میں پھر مسلمان دنیا کے مختلف خطوں سے ہجرت کر کے امریکہ آئے اور اس ہجرت کا سلسلہ ۱۹۲۰ تک چلتا رہا جس میں عرب ممالک سے مسلمان خاصی تعداد میں یہاں پہنچے۔ ۱۹۶۵ میں جب ایمیگریشن اور نیشنلٹی ایکٹ پاس ہوا اس کے بعد مسلمانوں نے بہت بڑی تعداد میں امریکہ کو ہجرت کی، اس قانون کے سبب ہوا یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ امریکہ پہنچا خصوصاً مشرق وسطی، جنوبی ایشیائی ممالک خصوصاً انڈیا پاکستان سے لوگ آئے اور یہاں آکر بس گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ امریکی مسلمان ایک آزاد شہری کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہیں جہاں انھیں وہ تمام سہولتیں میسر ہیں جو کسی اور مذہب کے پیروکاروں کو حاصل ہیں۔ مسلمانوں نے ایک پرامن شہری کی حیثیت سے اپنی شناخت بنالی ہے۔ اگر چہ اکا دُکا واقعات ایسے بھی ہوئے جن میں کسی مسلمان کا نام نکلا جن سے شدت پسند طبقے کو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا موقع ملا لیکن تفتیش سے نتائج سامنے آگئے کہ یہ جرائم پیشہ لوگ ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ مجموعی طور پر امریکہ کے داخلی حالات کا اندازہ صدر اوبامہ کے صدارتی خطاب کے اُس حصے سے لگانا چاہیے جس میں انھوں نے اعلان کیا تھا کہ ''اسلام امریکہ کا حصہ ہے، اور ایک مسلمان عورت کو یہاں حجاب پہننے کا پورا حق حاصل ہے''۔ نیویارک، نیوجرسی، شکاگو، ہیوسٹن اور ڈیلس بڑے شہر ہیں جہاں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں، صرف ہیوسٹن شہر میں سو سے زیادہ شاندار مسجدیں ہیں، جہاں نماز پنج گانہ کے علاوہ محفلیں، درس وتدریس، معاشرتی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔ اور اب تو مسلمان امریکی سیاست میں بھی حصہ لینے لگے ہیں۔ ان حالات میں یہاں کی داخلی سیاست میں مسلم مخالف بیان کو ہضم کرنا آسان نہیں ہے۔

مختلف انتخابی کنونشنز میں ڈونالڈ ٹرمپ نے مسلم مخالف بیانات دے دے کر اپنا ایک مخالف خیمہ بنالیا ہے، جس کے سبب ہیلری کلنٹن کو موقع ملا اور انھوں نے اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے یہ نعرہ دیا کہ ہم سب مل جل کر مضبوط قوم بن سکتے ہیں (Stronger Together) جب کہ ڈونالڈ ٹرمپ نے واضح طور پر کہا کہ امریکہ میں مسلمانوں کی آمد بالکل بند کر دینی چاہیے۔ اور میں صدر بنا تو مسلمانوں کا داخلہ بند کر دوں گا، اور مساجد پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ ان کے اس قسم کے بیانات سے متشدد قسم کے لوگ ہی متاثر ہو سکتے ہیں، امریکہ کی سِوِل

سوسائٹی کو اس طرح کی باتیں نہیں بھاتیں جو ایک ملک کے اندر بسنے والی مختلف قوموں کے مابین رنگ ونسل یا مذہب کی دیوار کھڑی کرتی ہوں۔ چنانچہ اس قسم کے بیانات کی مخالفت خود ان کے خیمے سے بھی ہوئی۔ انتخابی مہم کے دوران ہیلری کلنٹن نے بار باران کا جواب دیا، اور صدر اوباما نے بھی ان کے بیانات کا رد کیا۔ اب سیاسی مقابلہ تشدد اور اعتدال کے درمیان ہے، اور دونوں طرف سے بیان بازی جاری ہے۔

یہ نوک جھونک اس وقت دل چسپ مرحلے میں داخل ہوگئی جب ہیلری کلنٹن کی فلاڈلفیا انتخابی کنونشن میں ایک مسلم وکیل خضر خاں نے تقریر کرتے ہوئے ڈونالڈ ٹرمپ کو للکارتے ہوئے کہا کہ کیا تم نے امریکی آئین کا مطالعہ کیا ہے؟ تم نے امریکا کے لیے کوئی قربانی نہیں دی؟۔ جس کے ردعمل میں ٹرمپ نے کہا کہ جب خضر خان بول رہے تھے تو بغل میں ان کی بیوی غزالہ خاں وفاشعار بیوی کی طرح سن رہی تھیں، انھیں بولنے کا موقع اس لیے نہیں دیا گیا کہ ان کا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ڈونالڈ ٹرمپ کے یہ ریمارکس ان کے لیے مصیبت بن گئے اور ان کے خیمے کے کئی لوگوں نے کھل کر خضر خان اور غزالہ خاں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ساری امریکی قوم نے خان فیملی سے اس لیے اظہارِ ہمدردی کیا ہے کہ انھوں نے امریکہ کے لیے اپنے بیٹے کی قربانی دی ہے، جب ان کا ۲۷ سالہ بیٹا کیپٹن ہمایوں خاں ۲۰۰۴ میں عراق کے ایک بم بلاسٹ میں مارا گیا۔ اپنے خطاب میں ہیلری کلنٹن نے ہمایوں خاں کو ''بیسٹ آف امریکہ'' قرار دیا تھا۔ جب ٹرمپ نے اس کے والدین پر چٹکی لی تو ہر ہوشمند کو ان کی یہ حرکت بری لگی۔ وہائٹ ہاؤس کے ترجمان بلکہ ٹرمپ کی ریپبلکن پارٹی کی طرف سے بھی کہا گیا ہے کہ ''گولڈ اسٹار فیملی'' صرف عزت واحترام کی مستحق ہے، اور ایسے خاندان کا احترام کسی سیاست سے بڑھ کر ہے۔

بہر کیف خضر خاں کی فلاڈلفیا کی سات منٹ کی تقریر نے ہیلری کلنٹن کے حق میں وہ کام کیا جو خود ڈیموکریٹک پارٹی مہینوں میں نہ کرسکی تھی۔ اور اب منظر نامہ بدل چکا ہے۔ اور سیاسی تجزیہ نگار کلنٹن کی ٹرمپ پر سبقت دکھا رہے ہیں۔ اس کی وجہ ہیلری کلنٹن کی مقبولیت نہیں بلکہ ٹرمپ کی نفرت کی سیاست ہے۔ ایک عام امریکی کے لیے ہیلری کوئی بہت پسندیدہ شخصیت نہیں، ورنہ ۲۰۰۸ میں صدر اوباما کے مقابل ان کو پرائمری ہی میں پیچھے نہ کردیا گیا ہوتا۔ گویا حالات پر وہیلری کی بجائے انٹی ٹرمپ ہیں، اور عام ذہن بنتا جارہا ہے کہ ہیلری کلنٹن کو اس لیے منتخب کیا جائے کہ ٹرمپ کا راستہ روکا جاسکے۔ بلکہ خود ریپبلکن پارٹی کے پچاس سرکردہ ممبروں نے بھی دستخطی فیصلہ کیا ہے کہ ٹرمپ کو وہائٹ ہاؤس کی کلید نہیں دینی ہے، کیونکہ ان کے بیانات نہایت غیر ذمہ دارانہ ہیں۔ اگر وہ وہائٹ ہاؤس پہنچ گئے تو امریکہ اور دنیا کے لیے خطرناک ترین صدر ثابت ہوسکتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ ایک فنکار نے ٹرمپ کی بیٹی ایوانکا کو خط لکھ کر نصیحت کی ہے کہ تمہارے والد گرامی کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ انھیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ سیاست بہت ہوچکی، انھیں دو چار ماہ کے لیے بھیڑ سے دور کہیں سیر وتفریح پر لے کر نکل جاؤ۔

یوں تو ہیلری کلنٹن کے ایوانِ صدارت تک پہنچنے سے بھی کچھ نیا ہونے والا نہیں ہے، لیکن خطرہ یہ ہے کہ اگر ٹرمپ کی وہائٹ ہاؤس تک رسائی ہوگئی تو عالم اسلام کو پھر برے حالات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ اس لیے فی الحال ٹرمپ کی الٹی سیدھی بیان بازیاں خوش آئند قرار دی جاسکتی ہیں، تاکہ ۸؍نومبر تک عوام ان سے جس قدر دور ہوں اتنا ہی مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔

ہاں ہیلری کلنٹن کے تعلق سے ایک مزے کی بات رہ گئی۔ موصوفہ ۱۹۹۲ تا ۲۰۰۰ امریکہ کی ''خاتونِ اول'' رہ چکی ہیں جب ان کے شوہر نامدار مسند صدارت پر متمکن تھے۔ اب اگر وہ پہلی امریکی خاتون صدر کی حیثیت سے وہائٹ ہاؤس میں قدم رکھتی ہیں تو ''خاتونِ اول'' ٹائٹل کا کیا بنے گا؟ جو عموماً امریکی صدر کی بیوی پر چسپاں کیا جاتا ہے۔ یہ ٹائٹل کن الفاظ میں ان کے شوہر کو ٹرانسفر ہوگا؟ بل کلنٹن نے تو مسکراتے ہوئے تجویز دے دی ہے کہ میں First Man یا پھر First Dude قرار پاؤں گا۔ لیکن اس کے لیے ۸؍نومبر تک انتظار کرنا ہوگا۔

Faizanulmustafa@yahoo.com

درس حدیث

احادیث کریمہ۔مشکلات اورحل

چھٹی قسط

از: مولانا کوثر امام قادری

کیا مخلوقات میں سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں؟

پوری امت محمدیہ کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات سے افضل واعلی، بلند و بالا اور اللہ تبارک وتعالی کے محبوب ہیں۔

اس عنوان پر سیکڑوں آیات، احادیث اور آثار موجود ہیں، امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک شاندار کتاب تجلی الیقین اسی عنوان پر تصنیف فرمائی۔ان سیکڑوں احادیث میں سے ایک حدیث حسب ذیل ہے:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَاسَیِّدُ وَلَدِآدمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ یَنْشِقُ عَنْهُ الْقَبْرَ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ (باب تفضیل نبیناعلی جمیع الخلائق .مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی رقم طراز ہیں:

مذکورہ حدیث میں ہے کہ میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔آپ نے اپنی سیادت کے لئے روز قیامت کی قید لگائی ہے،حالاں کہ آپ دنیا وآخرت کے ہر دور میں اولاد آدم کے سردار ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کی سیادت ہر شخص پر بغیر کسی نزاع اور اختلاف کے ظاہر ہو جائے گی۔اس کے برخلاف دنیا میں کفار ومشرکین اپنی اپنی بادشاہت قائم کئے ہوئے ہوتے ہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا (لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَومَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔غافر۱۶) آج کس کی بادشاہت ہے؟ (پھر خود ہی فرمائے گا)اللہ واحد قہار کی بادشاہت ہے، حالاں کہ دنیا میں بھی اس کی بادشاہت تھی لیکن چوں کہ دنیا میں ظاہراً اور مجازاً مخلوق کی بادشاہتیں قائم تھیں اس لئے آخرت میں یہ فرمایا گیا۔

علمائے کرام نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ’’میں اولاد آدم کا سردار ہوں‘‘ فخر پر مبنی نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں یہ تصریح ہے کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔آپ کے اس ارشاد کی دو وجہیں ہیں۔ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۔اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کیجئے،دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ پر واجب تھا کہ آپ امت کو اپنے منصب کی تبلیغ کریں تا کہ وہ آپ کے منصب کو پہچانیں اس پر اعتقاد رکھیں،اس کے تقاضے پر عمل کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کے مطابق آپ کی تعظیم وتوقیر کریں (شرح مسلم جلد۲/۲۴۵)

تفصیلات بالا سے معلوم ہوا کہ افضل الخلائق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ذیل کی حدیث اس کے خلاف پر دلیل ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَاخَیْرَالْبَرِیَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَالِکَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلام۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کہا یا خیر البریۃ! آپ نے فرمایا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

پہلی والی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق ہیں حضور نے خود بیان فرمائی اور ہمیں بھی آپ کو افضل الخلائق کہنے و ماننے کی اجازت مرحمت فرمادی تا کہ ہم اسی مرتبہ کے لحاظ سے آپ کی تعظیم وتوقیر بجالائیں لیکن دوسری حدیث یہ بتارہی ہے کہ افضل الخلائق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

حلِ اشکال

پہلی والی حدیث اور دیگر سیکڑوں آیات واحادیث سے یہی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق ہیں لیکن آپ نے بیان کیوں فرمایا کہ خیر البریہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اس کے تین جوابات ہیں:

اول: یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جس وقت آپ کو اپنے افضل الخلائق ہونے کا علم نہیں عطا ہوا تھا۔

دوم: آپ نے از راہ تواضع وانکساری ایسا فرمایا۔

سوم: آپ کی مراد یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانے کے تمام مخلوقات میں افضل واعلیٰ تھے۔

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا؟

یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جتنے انبیا و مرسلین دنیا میں تشریف لائے وہ اخلاق حسنہ سے متصف اور معصوم عن الخطا تھے۔ صفات ذمیمہ اور اوصاف رذیلہ سے ان کا دامن پاک وصاف تھا۔ ان کے افعال کردار، اعمال، تکلم اور گفتگو میں صیانت وصلابت ضروری طور پر بدرجہ اتم موجود ہوتی تھی۔

چنانچہ ان کا کلام جھوٹ اور کذب بیان سے بالکل پاک ہوتا اور جھوٹ جب عام انسان کے لئے معیوب ہے تو پھر ساری مخلوقات سے افضل واعلیٰ شخصیات کے حق میں یہ کیوں کر روا ہوسکتا ہے، کذب بیانی کی مذمت میں یہ حدیث شریف ملاحظہ کریں۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّوَاِنَّ الْبِرَّيَهْدِی اِلٰی الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِی اِلٰی النَّارِ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ بولنا نیکی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور جھوٹ بولنا فسق ہے اور فسق وفجور جہنم میں لے جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ دروغ وکذب انبیا و مرسلین علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے لیکن حسب ذیل حدیث پر توجہ کریں تو یہ مسئلہ پیچیدہ ہوتا ہوا معلوم ہوگا جس کا حل جاننا ضروری ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّاثَلٰثَ كِذْبَاتٍ۔

(مسلم شریف باب من فضائل ابراهيم خليل اللّٰه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین (ظاہری) جھوٹ کے سوا جھوٹ نہیں بولا۔ دو جھوٹ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تھے۔ ان کا قول۔ **اِنِّی لَسَقِيْمُ** (میں بیمار ہوں) اور ان کا قول **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا** ۔ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے وہ بہت خوبصورت تھیں حضرت ابراہیم نے ان سے کہا، اس ظالم بادشاہ کو اگر معلوم ہوگیا کہ تم میری بیوی ہوتو وہ تم کو مجھ سے چھین لے گا۔

فَاِنْ سَأَلَكِ فَاَخْبِرِيْهِ اِنَّكِ اُخْتِی فَاِنَّكِ اُخْتِی فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّی لَااَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ مُسْلِماً غَيْرِی وَغَيْرَكِ

تم اس کو یہ بتانا کہ تم میری بہن ہو کیوں کہ تم دین اسلام کے لحاظ سے میری بہن ہو کیوں کہ اب میرے علم کے مطابق روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مسلمان نہیں ہے۔ جب حضرت ابراہیم اس ملک میں داخل ہوئے تو اس بادشاہ کے بعض کارندوں نے حضرت سارہ کو دیکھ لیا انھوں نے اس بادشاہ سے کہا تمہاری زمین پر ایک ایسی عورت آئی ہے جو تمہارے سوا کسی اور کے لائق نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوالیا جب ان کو لے جایا

گیا تو حضرت ابراہیم نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھائے بغیر نہ رہ سکا۔ سو اس کے ہاتھ کو سختی سے جکڑ دیا گیا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ ٹھیک کردے میں تجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا حضرت سارہ نے دعا کی اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا دوبارہ پہلے سے زیادہ سختی سے اس کا ہاتھ جکڑ لیا گیا۔ اس نے پھر دعا کی درخواست کی، حضرت سارہ نے دعا کی اس نے پھر ہاتھ بڑھایا اس بار پہلی دوبار سے زیادہ سختی سے اس کا ہاتھ جکڑ لیا گیا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میرا ہاتھ چھوڑ دے بخدا میں پھر کبھی تم کو ضرر نہیں دوں گا۔ حضرت سارہ نے دعا کی۔ اس کا ہاتھ کھول دیا گیا۔ اس نے حضرت سارہ کو لانے والے کو بلوایا اور کہا تم میرے پاس اس جنی کو لاتے ہو کسی انسان کو نہیں لایا اس کو میرے ملک سے نکال دو اور ہاجرہ بھی ان کو دیدو دلیر لوٹ آئیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو نماز سے فارغ ہوئے اور پوچھا کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے کہا خیر ہے اللہ تعالیٰ نے فاجر کے ہاتھ کو روک لیا اور ایک خادمہ عطا کی۔

(مسلم شریف۔ باب من فضائل ابراھیم خلیل الله)

حل اشکال

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا۔

۱۔ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا میں بیمار ہوں

۲۔ خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا اس سے بڑے بت نے یہ کام کیا

۳۔ اپنی بیوی سارہ کو فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں۔

یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جن کو پڑھ کر عام آدمی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے لہذا اس کا ازالہ ضروری ہے۔

اس مشکل کو حل فرماتے ہوئے حکیم الامت علامہ احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں:

اس کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جب کہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے۔

جن مواقع پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرۂ جان تھا یا خطرۂ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرۂ جان تھا۔ اس لئے یہ فرمایا (اس سے بڑے بت نے یہ کام کیا) لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنیٰ مراد لئے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں۔ توریہ ضرورۃ جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔ دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا، ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس غلام کو کون خریدتا ہے؟

حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کی نسلی، جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی، مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے بکریاں ہیں۔ یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنیٰ مراد ہیں۔

ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اِنِّــی لَسَـقِیۡـمٌ اس کے معنی میں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے قرآن شریف میں ہے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمۡ مَیِّتُوۡنَ یا سقیم سے دل بیماری یعنی ناراضی و رنج مراد ہے، یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے۔

اسی طرح بَـلۡ فَـعَلَهٗ کَبِیۡرُھُمۡ میں کبیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہذا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود کہتے تھے۔ یعنی یہ کام اس رب کا ہے، جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو، نبی کا کام رب کا ہی کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے۔

یا فَـعَلَـهٗ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ اور شک کا احتمال نہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب تعالی نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہیں فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ۔

معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِذْ جَاءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی (جاء الحق مع تخریج ۵۰۷)

شارح حدیث حضرت علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، یہ تینوں باتیں بظاہر جھوٹ تھیں، حقیقت میں جھوٹ نہیں تھیں، کیونکہ ''انی سقیم'' سے آپ کی مراد یہ تھی کہ میں عنقریب بیمار ہونگا، اور جب آپ نے تمام جھوٹ بت توڑ کر بت توڑنے کی اسناد بڑے بت کی طرف کیا اور فرمایا ''كَبِيْرُهُمْ هٰذَا'' ان کا بڑا یہ ہے کہ، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ ان بتوں کو توڑنے کا سبب اس بڑے بت کو رسوا کرنا اور اس کی بے چارگی ظاہر کرنا تھا کہ اس کے سامنے یہ ٹوٹتے رہے اور وہ کچھ نہ کر سکا۔

یا بَلْ فَعَلَهٗ کی ضمیر فاعل حقیقت میں حضرت ابراہیم کی طرف راجع ہے یعنی اس نے کیا ہے اور ابہام یہ تھا کہ اس بڑے بت نے کہا ہے، اس وجہ سے یہ جملہ بظاہر جھوٹ ہے، حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے، اور حضرت سارہ کے متعلق جو یہ فرمایا کہ مری بہن ہے تو آپ نے خود وضاحت فرمادی تھی کہ اس سے مراد دینی نہیں ہے، لہذا یہ جملہ بھی بظاہر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

(شرح مسلم سعیدی جلد ۶، ص ۷۳۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا حج کیا تھا؟

اس مسئلہ کی تفصیل سے پہلے تین چیزیں جانیے۔

اول: حج افراد یعنی صرف حج کرنا۔

دوم: حج تمتع عمرہ کر کے احرام کھول دینا مگر عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھ لینا۔

سوم: حج قران اس کا مطلب یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھنا اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حسب سابق احرام پر قائم رہنا اور حج سے فارغ ہو کر احرام کھولنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے کے بعد صرف ایک حج کیا تھا جسے تاریخ وسیرت میں حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ حج تین طرح سے مشروع ہے جس کی تفصیل گذری تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا حج کیا تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران کیا تھا امام شافعی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افرد کیا تھا اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے حج تمتع کیا تھا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَهْلَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْحَجِّ مُفْرَدًا وَفِي رَوَايَةِ بِنْ عُون اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهل بالحج مفرداً

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ساتھ ہم نے حج کیا افراد کا احرام باندھا اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کا احرام باندھا۔ **(باب الافراد والقران۔ مسلم)**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا تھا تمتع اور قران نہیں کیا تھا جبکہ اس کے خلاف دوسری روایت اس طرح ہے:

عَنْ اَنَس بِنْ مَالِک رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يلبى بِالْحَجِّ وَالْعُمَرَةِ جَمِيْعاً۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے سنا۔ **(باب الافرادو القران۔ مسلم)**

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

فقہ وفتاوی

قربانی کے مسائل

مفتی فضل احمد مصباحی بنارس

مالک زمین پر بھی قربانی واجب ہے!

سوال (۱): ایک شخص کے پاس اتنا زیور یا روپے یا مال تجارت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ مالک نصاب ہو مگر اس کے پاس کھیتی کے لیے اتنی زمین ہے کہ اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو اس کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے گی تو کیا اس شخص پر بھی قربانی واجب ہے؟

الجواب: جس کے پاس حاجت سے زائد مکان یا اتنی زمین ہو کہ اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو قیمت نصاب کو پہنچ جائے خواہ وہ زمین کاشت کے لائق ہو یا نہ ہو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے۔ ہندیہ میں ہے:

"إن كـان لـه عقـار ومستغلات ملك اختلف المشائخ المتأخرون رحمهم الله تعالى فالزعفراني والفقيه على الرازي اعتبرا قيمتها وأبو على الدقاق وغيره اعتبر الدخل فعليه الأضحية إلخ ملخصا". (ہندیہ ج۴ص۷۷)

ترجمہ: اگر کسی کے پاس زمین ہو اور زمین کی پیداوار بھی ہو تو متأخرین مشائخ رحمھم اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ قربانی کب واجب ہوگی۔ زعفرانی اور علی رازی نے زمین کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور ابوعلی دقاق اور دوسرے فقہا نے زمین کی پیداوار کا اعتبار کیا ہے۔

فتاوی قاضی خاں ج۱ص۷۰۱ مطبع نول کشور میں ہے:

"وإذا كان له دار لايسكنها يواجرها أولا يواجرها يعتبر قيمتها في الغناء وكذا إذاسكنها وفضل عن سكناه شئ يعتبر فيه قيمة الفاضل في النصاب ويتعلق بهذا النصاب أحكام وجوب صدقة الفطر والأضحية وحرمة وضع الزكاة فيه، ووجوب نفقة الأرحام".

ترجمہ: اور جب کسی کے پاس گھر ہو اور اس میں سکونت نہ ہو خواہ گھر کو اجرت پر دیا ہو یا نہ دیا ہو، غنا میں اسکی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ ایسے ہی جب گھر میں سکونت ہو اور گھر کا کچھ حصہ سکونت سے فاضل ہو تو جتنا حصہ فاضل ہو اسکی قیمت کا نصاب میں اعتبار ہوگا۔ اور اسی نصاب سے صدقہ فطر و قربانی کا وجوب متعلق ہوگا اور ایسے شخص کو مال زکوۃ لینا حرام ہوگا اور اس پر اقارب کا نفقہ واجب ہوگا۔

والدین کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں!

سوال (۲) کیا والدین یا ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو ان کے بچوں پر ان کی طرف سے قربانی کرنا ضروری ہے؟ بعض ایسے مسلمان جن پر قربانی واجب ہوتی ہے مگر وہ اپنی طرف سے نہیں کرتے، بلکہ وفات شدہ والدین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف سے کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیا ان کا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب: قربانی زندہ شخص پر واجب ہے میت پر نہیں اور جس پر قربانی واجب ہو وہ اپنی طرف سے قربانی کئے بغیر بریٔ الذمہ نہ ہوگا؛ اس لئے ایسے شخص کو چاہیئے کی پہلے اپنی طرف سے قربانی کرے پھر اپنے وفات شدہ والدین کی طرف سے۔ اپنی قربانی نہ کرکے وفات یافتہ لوگوں کی طرف سے قربانی کرنا اور اسکو ضروری سمجھنا غلط ہے۔ جس کی طرف سے قربانی کرے گا اسکو ثواب تو مل جائیگا مگر خود بریٔ الذمہ نہ ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وأما الذي يجب على الغني دون الفقير فما يجب من غير نذر ولاشراء للأضحية بل شكرا لنعمة

الحیاۃ وإحیاء لمیراث الخلیل أمرہ اللہ بذبح الکبش فی ھذہ الأیام". (ھندیہ ج۴ص۷۷)

ترجمہ: ایسی قربانی جوغنی پر واجب ہواور فقیر پر نہیں تو وہ قربانی ہے جس کی نہ منت مانی گئی ہواور نہ قربانی کے لئے جانور خریدا گیا ہو۔ بلکہ زندگی کی نعمت کے شکریہ اور حضرت خلیل علیہ السلام کی وراثت کے احیا کے طور پر واجب قرار دی گئی ہو جس وقت اللہ رب العزت نے مینڈھا ذبح کرنے کا حکم ان ایام میں دیا۔

ایک کی قربانی دیگر افراد کی طرف سے کافی نہیں!

سوال (۳) بعض غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگرچہ فیملی کا ہر ممبر مالک نصاب ہو مگر ہر ایک کا قربانی کرنا ضروری نہیں۔ صرف گھر کا ذمہ دار کردے گھر کے ہر ممبر کے لیے کافی ہے۔ اس پر وہ حدیث پیش کرتا ہے جس کا مفہوم ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور فرمایا: (یہ میرے اور گھر والوں کی طرف سے کافی ہے) اس کا یہ استشہاد کہاں تک درست ہے؟ اور اس کی دلیل کا صحیح محمل کیا ہے؟

الجواب: صاحب نصاب پر انفراداً قربانی واجب ہے۔ ایک قربانی سب کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے سے پہلے یہ دعا فرمائی: ((بسم اللہ اللھم تقبل من محمد و اٰل محمد و من أمۃ محمد ثم ضحی)) (مسلم)

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع، اے اللہ تو اس قربانی کو محمد اور آل محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کیا (مرقاۃ)

غیر مقلدین کا حدیث مذکور فی السوال سے استشہاد درست نہیں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی تو صرف اپنی طرف سے کی مگر ثواب میں اپنے ساتھ اپنے اہل اور امت کو بھی شامل فرمالیا۔ اس کا قطعا یہ مفاد نہیں کہ ایک قربانی سب کی طرف سے کافی ہوگئی۔ چنانچہ اس حدیث کے تحت مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

"قال الطیبي: المراد المشارکۃ في الثواب مع الأمۃ، لأن الغنم الواحد لایکفي عن اثنین فصاعدا". (مرقاۃ المفاتیح ج:۳ص:۳۰۴)

ترجمہ: علامہ طیبی صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث میں امت کے ساتھ ثواب میں مشارکت مراد ہے؛ اس لئے کہ ایک بکری دو یا دو سے زیادہ شخص کی طرف سے قربانی کے لئے کفایت نہیں کرتی (مرقاۃ)

غیر مقلدین کا طرز استدلال کا جواب دیتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے: "ولیس فی الحدیث دلالۃ علی الجواز المنقول ولا علی منعہ ولا علی الاستحباب المذکور بل لما دعا صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ وھو رحمۃ للعالمین شارک اٰلہ و امتہٗ فی قبول أضحیاتھم أو فی مطلق عباداتھم". (مرقاۃ المفاتیح ج:۳ص:۳۰۴)

ترجمہ: حدیث میں نہ تو جواز منقول پر کوئی دلیل ہے اور نہ ہی اس سے ممانعت پر اور نہ ہی استحباب مذکور پر بلکہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے دعا فرمائی حالانکہ آپ سارے جہان والوں کے لیے رحمت ہیں، تو اپنی اس دعا میں اپنی آل وامت کو شامل کیا کہ انکی بھی قربانیاں مقبول ہوں یا انکی عبادتیں بھی مقبول ہوں (مرقاۃ)

غیر مقلدین پر لازم ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں جس طرح ایک قربانی کو پوری فیملی کے لیے کافی قرار دیتے ہیں اسی طرح ایک قربانی کو پوری امت کے لیے بھی کافی قرار دیں اور پورے دنیا میں ایک قربانی ہوجائے اور سب بریٔ الذمہ قرار پائیں۔ العیاذ باللہ۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

قربانی کے ایام چار نہیں، تین ہی ہیں!

سوال (۴) قربانی کے ایام تین ہیں یا چار؟ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ قربانی چار دن تک کی جاسکتی ہے۔ درست کیا ہے دلیل

شرعی سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: غیرمقلدین نے جس حدیث کی روشنی میں یہ کہا کہ قربانی کے ایام چار ہیں، تین نہیں، اس حدیث کو احمد اور ابن حبان اور بزار نے روایت کیا ہے، مگر یہ روایت منقطع اور ضعیف ہے۔ دارقطنی نے دو سند ضعیف سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور بیہقی نے بھی ایک منقطع سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور ابن حاتم نے اپنے والد سے روایت کیا کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔ جب روایت ضعیف اور موضوع ہے تو محدثین کے نزدیک لائق استدلال نہیں۔ چنانچہ زیلعی میں ہے:

''حديث أيام التشريق كلها أيام ذبح، رواه أحمد و ابن حبان من حديث جبير بن مطعم من رواية عبدالرحمن بن أبي حسين عنه، وأورده البزار من هذا الوجه وقال: إنه منقطع وأخرجه الدار قطني من وجهين آخرين موصولين فيهما ضعف، أخرج أحد هما البزار وأخرجه أحمد والبيهقي من طريق سليمان بن موسىٰ عن جبير بن مطعم وهو منقطع أيضا، و في الباب عن أبي سعيد أخرجه ابن عدي و ضعفهٗ بمعا وية بن يحيى الصدفي وقد ذكر ابن أبي حا تم عن أبيه انهٗ مو ضوع بهذالإسناد''. (زیلعی علی ھامش الھدا یۃ ج:۴ ص:۱۴۶)

ترجمہ: کل ایام تشریق ایام ذبح ہیں۔ اس حدیث کو احمد اور ابن حبان نے جبیر بن مطعم سے عبدالرحمٰن بن ابی حسین کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ اور بزار نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے۔ اور کہا: یہ حدیث منقطع ہے اور دارقطنی نے دوسری دو متصل سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے، مگر ان دونوں سندوں میں ضعف ہے۔ ان دونوں سندوں میں سے ایک کو بزار نے بھی بیان کیا۔ اور امام احمد اور بیہقی نے سلیمان بن موسی کے واسطے سے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت بھی منقطع ہے۔ اس باب میں ابو سعید سے بھی روایت ہے جس کی تخریج ابن عدی نے کی ہے۔ اور معاویہ بن یحییٰ صدفی کی وجہ سے ضعیف بتایا۔ اور ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ اس سند کے ساتھ یہ حدیث بھی موضوع ہے (زیلعی)

احناف کے یہاں قربانی کے ایام تین ہیں۔ اور ان کی مستدل وہ حدیث ہے جو حضرت عمر، حضرت علی، ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان حضرات نے فرمایا: ایام نحر تین ہیں اور سب سے پہلا دن افضل ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ اتنے اجلہ صحابہ نے یہ بات اپنی طرف سے نہ کہی بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی یہ بات کہی کہ عبادت اور قربت کے اوقات کی حد بندی عقل سے نہیں کی جا سکتی۔ غیر مقلدین کی مستدل حدیث اور احناف کی مستدل حدیث کے درمیان تعارض ہوا۔ اور چونکہ اقل یعنی تین دن متیقن ہے۔ اور چوتھا دن مشکوک؛ تو متیقن پر عمل کرتے ہوئے احناف نے تین دن والی حدیث کو ترجیح دی۔ ملک العلما علاء الدین کاسانی رقم طراز ہیں:

'' والصحيح قولنا كما روى عن سيدنا عمر و سيدنا علي وابن عباس وابن سيدنا عمر وأنس بن مالك رضي الله عنهم أنهم قالوا: أيام النحر ثلٰثة أفضلها أولها والظاهر أنهم سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن أوقات العبادات والقربات لا تعرف إلا بالسمع''. (بدائع الصنائع ج:۴ ص:۱۹۸)

ترجمہ: اور صحیح ہمارا قول ہے، سبب اس روایت کے جو مروی ہے سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا مولی علی اور بن عباس اور عبداللہ بن انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے کہ ان حضرات نے فرمایا: ایام نحر تین ہیں اور سب سے افضل پہلا دن ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اجلہ صحابہ نے یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہی ہے کہ عبادات و قربات کے اوقات کی حد بندی صرف سماع ہی سے معلوم ہوسکتی ہے

ہدایہ اور عنایہ میں ہے:

"**وفي الأخبار تعارض فأخذنا بالمتيقن وهو الأقل**". (العنایہ علی شرح الهدایہ)

ترجمہ: اور حدیثوں میں تعارض ہے تو ہم نے اقل جو متیقن ہے اس پر عمل کیا اور غیر یقینی کو چھوڑ دیا۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ یہ قول کہ ایام نحر چار ہیں ضعیف اور موضوع روایت سے منقول ہے۔ اور باب عبادات میں احتیاط کے خلاف بھی ہے؛ اس لیے احناف نے قول راجح اور قول محتاط پر عمل کیا، اور کہا کہ قربانی کے ایام تین ہیں نہ کہ چار۔

چھ ماہ کے بکرے کی قربانی!

سوال (۵) اگر بکرا دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو مگر حقیقت میں ایک سال کا نہ ہو تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کیا بکری کی قربانی ہو سکتی ہے؟

الجواب: بھیڑ چھ ماہ کا اور دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اسکی قربانی جائز ہے۔ درّ مختار میں ہے:

"**صح الجذع ذو ستة أشهر من الضان إن كان بحيث لو خلط بالثنايا لايمكن التميز من بعد**".

ترجمہ: بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ اگر اس طرح ہو کہ ایک سال کی عمر کے بچہ کے ساتھ مل جائے تو دور سے امتیاز مشکل ہو جائے ایسے چھ ماہ کے بچے کی قربانی بھی درست ہے۔

یہی حکم دنبہ کا بھی ہے کہ دنبہ اور بھیڑ کا حکم ایک ہے۔ لیکن چھ ماہ کا بکرا اگر چہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اسکی قربانی جائز نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "**في البدائع تقدير هذه الأسنان لمنع النقصان لا الزيادة فلو ضحى بسن أقل لا يجوز**". (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۰۵)

ترجمہ: بدائع میں ہے کہ قربانی کے جانوروں میں عمر کی تعیین اس لیے ہے کہ اس سے کم کی قربانی جائز نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس عمر سے زیادہ جانور کی قربانی درست نہیں تو اگر مذکورہ عمر سے کم والے جانور کی قربانی کسی نے کر دی تو قربانی نہ ہوگی۔ بکرے کی طرح بکری کی بھی قربانی جائز ہے۔ واللہ تعالی اعلم

قربانی کے جانور سے قبل قربانی فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں:

سوال (٦) قربانی کے لیے جانور خریدا تو کیا اس کا دودھ نکال کر اپنے استعمال میں لا سکتا ہے؟

الجواب: قربانی سے پہلے قربانی کے جانور یا اسکے کسی جز سے انتفاع ممنوع و مکروہ ہے۔ اگر کسی نے دودھ دوہ لیا تو اسے استعمال میں نہ لائے، بلکہ صدقہ کر دے۔ در مختار میں ہے:

"**ويكره الانتفاع بلبنها قبلهٗ كما في الصوف**".

اگر جانور دودھ والا ہے تو تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے۔ اور اس سے بھی کام نہ چلے تو دوہ کر صدقہ کر دے۔ ردالمحتار میں ہے:

"**فإن كانت التضحية قريبة نفح ضرعها با لماء البارد وإلاحلبه ويتصدق به، كذا في الكفاية**". (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۰۹)

ترجمہ: اگر قربانی کا جانور قریب میں بچہ جنا تو اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو وہ صدقہ کر دے ایسا ہی کفایہ میں ہے۔

قربانی کی کھال ضائع کرنا کیسا ہے؟ کیا اس سے قربانی پر فرق پڑے گا؟

سوال (۷) امریکہ وغیرہ مغربی ممالک میں سلاٹر ہاؤس جہاں قربانی کے لیے لوگ جاتے ہیں وہاں کے منتظمین قربانی کے بعد گوشت تو دیدیتے ہیں لیکن کھالیں ضائع کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے۔ سلاٹر ہاؤس سے ہٹ کر کسی مقام پر قربانی کرنے کی قانوناً اجازت نہیں، تو اس سے قربانی کرنے والے کی قربانی ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: قربانی **إراقةالدم لوجه الله** (یعنی اللہ کے لیے خون بہانا) کا نام ہے۔ اور قربانی اسی سے ادا ہوگی۔ لیکن قربانی

کی کھال قربانی کرنے والے کی ملک میں ہے؛ اس لیے اسے واپس کردینا لازم ہے۔ سلاٹر ہاؤس والے ضائع کرکے گناہ کا کام کرتے ہیں۔ قربانی کرنے والوں پر چونکہ قانوناً انفرادی طور پر قربانی کرنے پر پابندی ہے اس لیے وہ معذور ہیں اور ان کی قربانی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک ملک میں رہنے والا دوسرے ملک میں قربانی کرا سکتا ہے!

سوال (۸) یہاں امریکہ میں بہت سارے لوگ قربانی کے لیے رقم ہندوستان پاکستان اپنے احباب کے پاس بھیجتے ہیں، اور وہ لوگ وہاں قربانی کر دیتے ہیں، کیا اس طرح قربانی درست ہوگی؟

الجواب: امریکہ میں مقیم ہندوستانی یا پاکستانی قربانی کے لیے اپنے ملک میں مقیم ہندوستانی یا پاکستانی کو وکیل بنا سکتے ہیں اور وکیل کی قربانی مؤکل ہی کی طرف سے مانی جائیگی لیکن شرط یہ ہے کہ جہاں قربانی ہورہی ہے وہاں قربانی کا وقت ہو۔ اور قربانی وقت کے اندر کی جائے جیسا کہ شہری کی طرف سے دیہات میں بطور وکالت قربانی کئے جانے کا مسئلہ ہے۔

قربانی کے جانور کی عمر!

سوال (۹) قربانی کے جانور کی عمر کیا ہونی چاہیے؟ اور اس کے لیے کتنے دانتوں کا ہونا ضروری ہے؟

الجواب: قربانی کے جانور کی عمر الگ الگ ہے۔ اونٹ کے لیے کم از کم پانچ سال، گائے اور بھینس کے لئے دو سال، اور بکری کے لیے ایک سال ہونا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: "صح اِبْنِ خَمْسٍ مِنَ الْاِبِلِ وَحَوْلَيْنِ مِنَ الْبَقَرِ وَ الجَامُوْس وَحوْلٍ مِنَ الشّاۃِ والمعز". (درمختار ج۵ ص۲۰۵)

ترجمہ: اونٹ پنچ سالہ، گائے بھینس دو سالہ اور بکری بھیڑ ایک سالہ کی قربانی صحیح ہے۔

دانت نکلنے اور نہ نکلنے کا اعتبار نہیں، مدار حکم عمر پر ہے، دانت نکلنے پر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ فضل احمد مصباحی بنارس

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۱)...... دوسری روایت یہ ہے کہ یہ کلمات ہیں۔

عَنْ اَنَس بِنْ مَالِک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ رَای النَّبِیَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَمَعَ بَیْنَہُمَابَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمَرَۃِ۔

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کو اکی ساتھ جمع کیا۔ (باب الافرادو القران۔ مسلم)

حل اشکال

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قِران کیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس میں صحیح کیا ہے، دفع تعارض اور حل اشکال کی صورت کیا ہے؟

شارح حدیث علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں۔

بظاہر حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت میں تعارض ہے اس کے تین جوابات ہیں۔

اول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ میں مختلف کلمات کہے تھے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ بِحُجَّة سنا تو اس کو روایت کیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ بِحُجَّة وَعُمَرَة سنا تو اس کو روایت کر دیا اس جواب سے دونوں روایتوں میں تطبیق ہوگئی۔

دوم: حضرت انس کی روایت چونکہ اکثرین کے مطابق ہے اس لیے اس کو حضرت ابن عمر کی روایت پر ترجیح ہوگی۔

سوم: بکر نے حضرت ابن عمر سے یہ روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج کیا ہے، یعنی افراد اور حضرت ابن عمر کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ بن عمر نے حضرت ابن عمر سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ جمع کیا ہے اور ظاہر ہے کہ سالم کی روایت بکر کی روایت سے قوی ہے۔ (شرح مسلم سعیدی جلد۳۔ ص۴۶۱)

ذبیح کون؟

حضرت اسحاق یا حضرت یا اسماعیل؟ علیہما و علی ابیہما السلام۔ایک مستشرق کی تحریر کا رد

تحریر: مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی انڈمان

۶/اگست کو بعد مغرب ہم دور جدید کے مستشرق جان گلکرسٹ کی تحریروں کو پڑھنے میں مصروف تھے، جن میں ایک بحث قربانی کے متعلق (Ishaq or Ismail: The Muslim Dilemma) بھی تھی اور اتفاق کہ اسی رات میں مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب نے اسی موضوع پر ماہ ستمبر کے لیے لکھنے کا حکم سنا دیا۔ جان گلکرسٹ نے قرآن کے جس دِقت نظر کے ساتھ مطالعہ کا استعمال کیا اور چابک دستی سے اپنے موقف (ذبیح اسحاق تھے) کو ثابت کرنے کی کوشش کی، وہ کافی گمراہ کن ہے، جبکہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ہیں۔گلکرسٹ صاحب کے پورے مقالہ کا زور چار نکات پر ہے (۱) حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے پر یہودی اور عیسائی سکرپٹ شاہد ہیں۔(۲) قرآن میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے ان آیات کے ارد گرد حضرت اسماعیل کا نہیں بلکہ حضرت اسحاق کا نام ہے (۳) حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی نہیں، بلکہ حضرت سارہ کی باندی تھیں اس لیے حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کی قانونی اولاد نہیں ہو سکتے ہیں، معاذ اللہ (۴) قانونی طور پر حضرت اسحاق حضرت ابراہیم کے اکلوتے بیٹے تھے۔علیہم السلام

ان نکات کے تجزیہ سے ساری حقیقت اور جان گلکرسٹ کے علم و دیانت کی گہرائی کا اندازہ بخوبی ہو جائے گا مگر اس سے پہلے قرآن اور بائبل میں جن مقامات پر اس واقعہ کا ذکر ہے ان کو نقل کرنا ضروری ہے کیونکہ تجزیہ ان دونوں کتابوں کی آیات کا ہوگا جس سے حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی۔قرآن کی سورہ الصٰفّٰت میں اس واقعہ کا مکمل ذکر یوں ہے:

”رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ o فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ o فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى، قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ o فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ o وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ o قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ o اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ o وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ o وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ o سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ o كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ o اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ o وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ o وَ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ o۔“

”الٰہی مجھے لائق اولاد دے، تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی، پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں، اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی، اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ۔اور ہم نے اسے ندا دی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بیشک یہ روشن جانچ تھی۔اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا۔اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی، سلام ہو ابراہیم پر۔ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہے۔اور ہم نے اسے خوشخبری دی اسحٰق کی کہ غیب کی خبریں بتانے والا (نبی)۔ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں اور ہم

نے برکت اتاری اس پراور اسحٰق پراوران کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا۔ (آیات: ۱۰۰۔۱۱۳)

اور بائبل نے پورا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

Abraham commanded to offer Isaac

"And it came to pass after these things, that God did tempt Abraham, and said unto him, Abraham: and he said, Behold, here I am. And he said, Take now thy son, thine <u>only son</u> Isaac, whom thou lovest, and get thee into the land of Moriah; and offer him there for a burnt offering upon one of the mountains which I will tell thee of. And Abraham rose up early in the morning, and saddled his ass, and took two of his young men with him, and Isaac his son, and clave the wood for the burnt offering, and rose up, and went unto the place of which God had told him. Then on the third day Abraham lifted up his eyes, and saw the place afar off. And Abraham said unto his young men, Abide ye here with the ass; and I and the lad will go yonder and worship, and come again to you, And Abraham took the wood of the burnt offering, and laid it upon Isaac his son; and he took the fire in his hand, and a knife; and they went both of them together. And Isaac spake unto Abraham his father, and said, My father: and he said, Here am I, my son. And he said, Behold the fire and the wood: but where is the lamb for a burnt offering? And Abraham said, My son, God will provide himself a lamb for a burnt offering: so they went both of them together."

''ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور کہا کہ اے ابرہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اِضحاق کو جو تیرا <u>اِکلوتا</u> ہے اور <u>جسے تو پیار کرتا</u> ہے ساتھ لیکر سوریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤنگا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دو جوانوں کو اور اپنے بیٹے اِضحاق کو لیا اور سوختنی قربانی کے لئے لکڑیاں چیریں اور اٹھ کر اس جگہ کو جو خدا نے اسے بتائی تھی روانہ ہوا۔ تیسرے دن ابرہام نے نگاہ کی اور اس جگہ کو دور سے دیکھا۔ تب ابرہام نے اپنے جوانوں سے کہا تم یہیں گدھے کے پاس ٹھہرو۔ میں اور یہ لڑکا دونوں ذرا وہاں تک جاتے ہیں اور سجدہ کرکے پھر تمہارے پاس لوٹ آئیں گے۔ اور ابرہام نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے بیٹے اِضحاق پر رکھیں اور آگ اور چھری اپنے ہاتھ میں لی اور دونوں اکھٹے روانہ ہوئے۔ تب اِضحاق نے اپنے باپ سے کہا اَے باپ! اس نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے میں حاضر ہوں۔ اس نے کہا دیکھ آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختنی قربانی کے لئے برّہ کہاں ہے؟۔ ابرہام نے کہا اے میرے بیٹے خدا آپ ہی اپنے واسطے سوختنی قربانی کے لئے برّہ مہیا کر لیگا۔''

پھر اس کے بعد:

"And they came to the place which God had told him of; and Abraham built an altar there, and laid the wood in order, and bound Isaac his son, and laid him on the altar upon the wood. And Abraham stretched forth his hand, and took the knife to slay his son. And the angel of the LORD called unto him out of heaven, and said, Abraham, Abraham: and he said, Here am I. And he said, Lay not thine hand upon the lad, neither do thou any thing unto him: for now I know that thou fearest God, seeing thou hast not withheld thy son, thine <u>only son</u> from me. And Abraham lifted up his eyes, and looked, and behold behind him a ram caught in a thicket by his horns: and Abraham went and took the ram, and offered him up for a burnt offering in the stead of his son. And Abraham called the name of that place Jehovah-jireh: as it is said to this day, In the mount of the LORD it shall be seen. And the angel of the LORD called unto Abraham out of heaven the second time, And said, By myself have I sworn, saith the LORD, for because thou hast done this thing, and hast not withheld thy son, thine <u>only son</u>: That in blessing I will bless thee, and in multiplying I will multiply thy seed as the stars of the

heaven, and as the sand which is upon the sea shore; and thy seed shall possess the gate of his enemies; And in thy seed shall all the nations of the earth be blessed; because thou hast obeyed my voice." (Genesis: 22/1-17, King James Version)

''سو وہ دونوں آگے چلتے گئے۔ اور اس جگہ پہنچے جو خدا نے بتائی تھی۔ وہاں ابرہام نے قربانگاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اِضحاق کو باندھا اور اسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا۔ اور ابرہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ تب خداوند کے فرشتہ نے اسے آسمان سے پکارا کے اے اَبرہام! اے اَبرہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اسلئے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اِکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔ اور اَبرہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اَٹکے تھے۔ تب اَبرہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھایا۔ اور اَبرہام نے اس مقام کا نام یہوواہ یری رکھا چنانچہ آج تک یہ کہاوت ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائیگا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے آسمان سے دوبارہ اَبرہام کو پکارا اور کہا کہ۔ خداوند فرماتا ہے چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اِکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ۔ میں تجھے برکت پر برکت دونگا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کناروں کی ریت کی مانند کردونگا اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی۔ اور تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تو نے میری بات مانی۔'' (پیدائش: ۲۲/۱۔۱۸، بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۰۹ء)

لفظ ''اِکلوتا'' کے آگے اسحٰق کا نام ہونٹوں پہ مسکان چھوڑے بغیر نہیں گذر سکتا ہے۔ اب جان گلکرسٹ کی دلیلوں کا تجزیہ مع دلائل ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ تجزیہ سے ہی حق بے نقاب ہو جائے گا:۔

(نکتہ 1) جان گلکرسٹ کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ قرآن میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے ان آیات کے ارد گرد حضرت اسماعیل کا نہیں بلکہ حضرت اسحاق کا نام ہے:۔ ہم نے مکمل چودہ آیات نقل کی ہیں تا کہ پورے واقعہ پر تفصیلی تجزیہ کے ساتھ اس کا مکمل خاکہ ذہن نشیں ہو جائے۔ ان دو باتوں پر تو تینوں مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) متحد ہیں کہ اسمٰعیل اِسحاق سے بڑے ہیں اور قربانی بھی اِکلوتے فرزند کی ہی مانگی گئی تھی۔ قرآن نے اس واقعہ کو حضرت ابراہیم کی تمنائے اولاد سے شروع کر کے یعقوب کی بشارت پہ ختم کیا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم کی طلبِ اولاد کی تڑپ کو بیان کیا: اِلٰہی مجھے لائق اولاد دے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں لائق اولاد عطا فرمائی، بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم اور سارہ و ہاجرہ تینوں کو جس اولاد کی طلب تھی وہ صرف اور صرف اِسمٰعیل سے پوری ہوگئی اور قرآن میں اللہ نے اسی اولاد کی قربانی مانگی ہے جس کی تمنا کی گئی تھی اور وہ صرف اسمٰعیل ہیں۔ اور بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل سے اتنے خوش تھے کہ جب انھیں حضرت اسحٰق کی بشارت دی گئی تو انھوں نے رب سے یہ درخواست کی کہ مولا! کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے (پیدائش: ۱۷/۱۸) اس کے بعد قرآن نے حضرت ابراہیم کے امتحان اور اس میں کامیابی کا ذکر کیا اور اس عظیم مشن میں کامیابی پر ان کی ستائش کی اور ان کے لیے دعائیں کی گئی ہیں، پھر اس کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کی خوش خبری اور ساتھ ہی ان کی نسل میں اچھے برے لوگوں کے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح قربانی کے واقعہ اور اسحٰق کی بشارت کے بیچ میں کافی فاصلہ ہے، مگر مستشرقین کو پھر بھی دونوں ذات ایک ہی نظر آ رہی ہے انھیں درمیان میں اتنا وقفہ نظر نہیں آ رہا ہے البتہ! وہ حرف عطف (ثُمَّ) کی کھوج میں ہیں کہ اگر یہ حرف ہوتا تو معطوف معطوف علیہ میں تغایر صحیح ہوتا جو یہاں نہیں ہے۔ مگر انھیں دوسرا حرف عطف ''وَ'' نظر نہیں آ رہا ہے۔ اور ایسے بھی خود بائبل میں اتنے شواہد ہیں جو ہمارے موقف کی حمایت کے لیے کافی سے زائد ہیں اس لیے ہم مدعی کی الہامی کتاب بائبل پر زیادہ توجہ دینے کی کوشش

کریں گے۔ بائبل میں کئی ایسے نقاط ہیں جو مستشرقین کے موقف کو باطل قرار دیتے ہیں، مثلا:۔

(۱) قرآن کی طرح بائبل میں بھی اسحٰق کی خوشخبری کی ساتھ ان کی نسلوں کا تذکرہ بھی ملحق ہے:

"And God said, Sarah thy wife shall bear thee a son indeed; and thou shalt call his name Isaac: and I will establish my covenant with him for an everlasting covenant, and with his seed after him." (Genesis: 17/19)

''تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام اِضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو اَبدی عہد ہے باندھونگا۔'' (پیدائش: ۱۹/۱۷)

اس میں یہ بات نیم روز کی طرح واضح ہے کہ اسحاق کی بشارت کے ساتھ ہی اس کی لمبی نسل کی خبر بھی متصل ہے، اور خود بائبل کے مطابق جس وقت قربانی کا واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت اسحاق کنوارے ہی تھے۔ (باب نمبر ۲۳۔۲۴ کے مطابق واقعہ قربانی کے بعد سارہ کا انتقال ہوا پھر حضرت اسحٰق کی شادی ہوئی، اور جس وقت ان کی شادی ہوئی اس وقت حضرت ابراہیم ضعیف اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔) پھر جس کا باپ دادا بننا یقینی اور خود ابراہیم کو بھی معلوم ہے اس کی قربانی کا حکم آزمائش یا امتحان ہوسکتا ہے یہ کسی بھی دانشور کو منوانا مشکل کام ہے۔

(۲) قربانی کے ذریعے آزمائش کا سب سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ سب سے چہیتی چیز کا مطالبہ کیا جائے، اور یہ چیز دو وجہوں سے اسماعیل علیہ السلام پر تو فٹ بیٹھتی ہے مگر حضرت اسحاق علیہ السلام پر نہیں (۱) جیسا کہ قرآن اور خود بائبل نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں اسماعیل علیہ السلام زیادہ محبوب تھے بہ نسبت حضرت اسحاق کے، اسی لیے خدا جب دوسرے بیٹے کی خوشخبری سنا رہا ہے تو آپ ہلکے دبے الفاظ میں اس نعمت کے نہ ملنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں (۲) جس وقت بچپن/لڑکپن میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا وہ آزمائش اور ایمان کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ کیونکہ اکلوتے بیٹے کی قربانی بہت زیادہ مشکل ہے، جس کے پاس دو تین ہو وہ بقیہ کو دیکھ کر تو صبر کرلے گا مگر جس نے کل مال و متاع لٹا دی اور اپنے اِکلوتے کو قربان کردیا ہو اس کا مقامِ صبر سب سے اعلیٰ ہے۔ اس لیے خود بائبل نے بھی بار بار لفظ اِکلوتے پر زور دیا ہے۔

(۳) بائبل کے مطابق اِسمٰعیل باپ کے اور اِسحٰق خدا کے زیادہ چہیتے تھے، اور چونکہ یہ آزمائش اِبراہیم کی تھی اس لیے اس کی قربانی مانگی گئی جس سے اِبراہیم کا دل چمٹا تھا، اور وہ اِسمٰعیل ہیں۔ رہے حضرت اِسحٰق تو ابراہیم علیہم السلام نے ان کی خوش خبری پر ہی اپنی دلی کیفیت یہ کہہ کر ظاہر کردی کہ خدایا! کاش اِسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ مطلب انھیں اِسمٰعیل کی محبت میں کسی اور کو شریک و سہیم بنانا گنوارا نہیں تھا۔ تو ایسے راج دُلارے کی قربانی ہی اصل امتحان کہلاسکتی ہے، جس اسحٰق کو ابراہیم نے آدھے ادھورے من سے قبول کیا ہو، اس کی قربانی کے امتحان ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا ہے۔

(۴) بائبل نے قربان ہونے والے بچے کی دوصفت بیان کی ہے (۱) جو تیرا اِکلوتا ہے اور (۲) جسے تو پیار کرتا ہے، اور یہ دونوں صفتیں اِسحٰق میں نہیں ہیں۔ صرف اور صرف اسمٰعیل میں ہیں۔ اسمٰعیل چودہ سالوں تک ابراہیم کے اکلوتے بھی تھے (پیدائش: ۱۶/۱۶، ۲۱/ ۵) اور دُلارے بھی ایسے کہ ان کی محبت کسی اور سے بانٹنا گوارا ہی نہیں تھا۔ (پیدائش: ۱۸/۱۷)

(**نکتہ 2**) معاذ اللہ، حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی نہیں، بلکہ حضرت سارہ کی باندی تھیں اس لیے حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کی قانونی اولاد نہیں ہوسکتے ہیں:۔ سب سے پہلے تو 'غیر محدود آزادی' کے پرچارکوں کی اولاد کی طرف سے کسی کی غلامی کو اس کی نسلوں کی بے حرمتی کے لیے استعمال کرنا حد درجہ افسوسناک ہے۔ ہم کسی کے بغض میں اس حد تک گر جانے کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں نسلی بھید بھاؤ (Racial Discrimination) کے زمرے میں آتی ہیں۔ امید ہے کہ

اقوام متحدہ اپنی واجب ڈیوٹی نبھاتے ہوئے اس طرح کی فکر اور مفکرین کی مذمت کرے گا۔

آیئے! اپنی طرف سے کچھ نہ کہتے ہوئے، حضرت ہاجرہ کے متعلق خود بائبل اور مسیحیوں کے خدا کا نقطۂ نظر جانیں اس کے بعد کسی طرح کے کلام کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ بائبل میں ہے:

Sarai and Hagar

"Now Sarai Abram's wife bare him no children: and she had an handmaid, an Egyptian, whose name was Hagar. And Sarai said unto Abram, Behold now, the LORD hath restrained me from bearing: I pray thee, go in unto my maid; it may be that I may obtain children by her. And Abram hearkened to the voice of Sarai. And Sarai Abram's wife took Hagar her maid the Egyptian, after Abram had dwelt ten years in the land of Canaan, and gave her to her husband Abram to be his wife." (Genesis: 16/1-3)

''اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے ساری کی بات مانی۔ اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اُسے دی کہ اس کی بیوی بنے۔'' (پیدائش:۱۶/۱۔۳)

کیا سمجھے آپ؟ مطلب بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم کو حضرت ہاجرہ بطور بیوی شادی کے بندھن سے باندھ کر دیا تھا، بطور حرم یا باندی نہیں دیا تھا۔ اسی لیے ان کے لیے بیوی اور ''Wife'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

''Wife'' کا لفظ انگریزی زبان میں اسی عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے مرد شادی کرتا ہے:

"wife: noun (pl. wives) the woman that a man is married to; a married woman."

''بیوی، اس عورت کو کہا جاتا ہے جس سے مرد شادی کرتا ہے، شادی شدہ عورت'' اور غیر قانونی بیوی کے لیے انگریزی زبان میں ''Concubine'' کا لفظ آتا ہے، جیسا کہ آکسفورڈ کی ڈکشنری میں ہے:

"Concubine: noun (especially in some societies in the past) a woman who lives with a man, often in addition to his wife or wives, but who is less important than they are" (Oxford Advanced Learner's Dictionary)

''(خاص طور پر ماضی کے بعض سماج میں) وہ عورت جو کسی مرد کے ساتھ رہتی ہے، عموما اس کی بیوی کے علاوہ ہوتی ہے اور اسے بیوی سے کم رتبہ ملتا ہے۔''

اور اس لفظ کا اسی معنی میں بائبل نے بھی استعمال کیا ہے (پیدائش:۲۵/۶) مسیحی کان کھول کر سن لیں کہ ہاجرہ، سارہ اور قطورہ یہ وہ تین عورتیں ہیں جن کے لیے مسیحیوں کے خدا نے ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے علاوہ ان کی کئی ایک حرمیں بھی تھیں جن کی تعداد کا ذکر نہیں، اور ان کے لیے بائبل نے ''Concubine'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (پیدائش: ۲۵/۱۔۶)

جب بائبل اور مسیحیوں کے خدا کی جانب سے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی بیوی کہہ کر پکارا جائے تو کسی بھی مسیحی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ خدا کے فیصلے کے آگے علم بغاوت بلند کرے۔ جس کو بائبل اور مسیحیوں کے خدا نے قانونی رشتہ قرار دیا اس کو (معاذ اللہ) غیر قانونی ثابت کرنے کی سعی بہتوں کی قانونی حیثیت پر سوالیہ نشان لگانے کا اشارہ دیتی ہے۔

بائبل نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے اور بھی بیٹے تھے جو ان کی حرموں سے پیدا ہوئے تھے، مگر ان کے تمام لڑکوں میں سے صرف انہی لڑکوں کا نام ذکر کیا گیا جو بیویوں (سارہ، ہاجرہ اور قطورہ) سے پیدا ہوئے تھے، مطلب ان کی حیثیت قانونی تھی جس کا اِنکار وہی کرے گا جس کو بائبل پر یقین نہ ہو۔

(نکتہ 3) قانونی طور پر حضرت اسحاق حضرت ابراہیم کے اکلوتے بیٹے تھے:۔نکتہ 2 کے جواب سے اس سوال کا جواب بھی بہت حد تک واضح ہو چکا ہے۔حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم علیہما السلام کی سب سے پہلی اور چہیتی اولاد ہیں،اور یہی وہ ذات ہے جس پر واقعۂ قربانی کا لفظ ''اِکلوتا'' بے غبار فٹ بیٹھتا ہے۔جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶/ سال تھی:

Ishmael is born
"And Hagar bare Abram a son: and Abram called his son's name, which Hagar bare, Ishmael. And Abram was fourscore and six years old, when Hagar bare Ishmael to Abram." (Genesis: 16/15-16)

''اور اَبرام سے ہاجرہ کو ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اِسمٰعیل رکھا۔ اور جب اَبرام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوتب اَبرام چھیاسی برس کا تھا۔''(پیدائش: ۱۶/۱۵۔۱۶)

اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ پورے سو برس کے تھے:

"And Abraham was an hundred years old, when his son Isaac was born unto him." (Genesis: 21/5)

''اور جب اس کا بیٹا اِضحاق اس سے پیدا ہوتو اَبرہام سو برس کا تھا۔'' (پیدائش:۵/۲۱)

یعنی کم و بیش ۱۴/سال کا زمانہ ایسا گذرا ہے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بائبل کے مطلوب ''اِکلوتے بیٹے'' تھے۔اور جب خود بائبل حضرت اسماعیل کے لیے بار بار ابراہیم کے بیٹے کا لفظ استعمال کر رہی ہے تو دنیا کی کوئی بھی عدالت اسماعیل کے لیے دعوئ ابنیت کو خارج نہیں کرسکتی ہے۔خاص طور پر حضرت اِسمٰعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ کے متعلق حضرت سارہ کے الفاظ یہ ہیں:

''دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔''

اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اِسمٰعیل صرف ابراہیم و ہاجرہ کی ہی تمنا نہیں تھے بلکہ وہ سارہ کی بھی آرزو تھے۔

اور ایک خاص نکتہ یہ بھی ذہن رہے کہ خود سارہ نے ہی ہاجرہ کی شادی حضرت ابراہیم سے کروائی تھی تاکہ سارہ کا گھر آباد ہو،اور کم از کم اسحٰق کی پیدائش تک بائبل کی آیات میں یہ کہیں نہیں دِکھایا جاسکتا ہے کہ اِسمٰعیل کی طرف سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہو جس سے ''اکلوتے اسمٰعیل'' کی محبت کو اپنے اور ابراہیم کے دل سے نکالنے کے لیے سارہ یا مسیحیوں کو کوئی جواز مل سکے۔اور چونکہ سارہ نے ہاجرہ کی گود ہری ہونے کو خود اپنے گھر کی آبادی اور خوشحالی کا ذریعہ بتایا ہے اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اسمٰعیل کی قانونی ابنیت پر سوال اٹھائے جبکہ خود خدا نے بھی اس کے لیے ابراہیم کے بیٹا کا لفظ استعمال کیا ہے۔

بائبل کی درج ذیل آیت اسحاق کے حق میں ''دعوئ قربانی'' کو سختی سے مسترد کرتی ہے:

Sarai's name changed, the promise of Isaac
"And God said unto Abraham, As for Sarai thy wife, thou shalt not call her name Sarai, but Sarah shall her name be. And I will bless her, and give thee a son also of her: yea, I will bless her, and she shall be a mother of nations; kings of people shall be of her. Then Abraham fell upon his face, and laughed, and said in his heart, Shall a child be born unto him that is an hundred years old? and shall Sarah, that is ninety years old, bear? And Abraham said unto God, O that Ishmael might live before thee! And God said, Sarah thy wife shall bear thee a son indeed; and thou shalt call his name Isaac: and I will establish my covenant with him for an everlasting covenant, and with his seed after him. Ishmael to be a nation. And as for Ishmael, I have heard thee: Behold, I have blessed him, and will make him fruitful, and will multiply him exceedingly; twelve princes shall he beget, and I will make him a great nation. But my covenant will I establish with Isaac, which Sarah shall bear unto thee at

this set time in the next year." (Genesis: 17/15-21)

''اور خدا نے اَبرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے اس کو اب ساری نہ پکارنا۔ اس کا نام سارہ ہوگا؛ اور میں اسے برکت دونگا پھر قومیں اس کی نسل سے ہونگی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہونگے۔ تب اَبرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟۔ اور اَبرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہا۔ تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام اِضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو اَبدی عہد ہے باندھونگا اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا؛ اور اسے بہت بڑھاؤنگا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اسے بڑی قوم بناؤنگا؛' (پیدائش: ۱۷/ ۱۵۔۲۱)

اس اقتباس میں اسمٰعیل کے لیے ابراہیم کی محبت اور اِسحٰق سے کم تعلقی صاف جھلکتی ہے۔ ساتھ ہی اِسحٰق کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی نسل کی بڑھوتری کا واضح پیغام سنایا جارہا ہے جو اس بات کو خارج از اِمکان قرار دیتا ہے کہ ابراہیم سے رب نے اس کی قربانی کا مطالبہ کیا ہوگا جس کی نسلوں کی زندگی بھی یقینی ہے۔

(نکتہ 4) حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے پر یہودی اور عیسائی اِسکرپٹ شاہد ہیں:۔ یہ دلیل تحقیق کی دنیا کی سب سے کمزور دلیل ہے۔ ہم نے ایک مجنوں کو دیکھا جو عجیب وغریب خلاف عقل دعویٰ کررہا تھا، اس نے ایک بار یہ بیان کیا کہ رائی کے پیڑ کی ٹہنیوں میں پرندے اپنا مسکن بناتے ہیں، حاضرین میں سے ہر کسی نے اس کو جھٹلایا مگر اس نے بائبل کی درج ذیل آیتوں کا حوالہ دے دیا:

The parable of the mustard seed

"Another parable put he forth unto them, saying, The kingdom of heaven is like to a grain of mustard seed, which a man took, and sowed in his field: Which indeed is the least of all seeds: but when it is grown, it is the greatest among herbs, and becometh a tree, so that the birds of the air come and lodge in the branches thereof." (Mathew: 13/31-32, Mark: 4/30, Luke: 13/18-19)

''آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بودیا؛ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہوجاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں؛' (متّیٰ: ۱۳/ ۳۱۔۳۲، مرقس: ۴/ ۳۰، لوقا: ۱۳/ ۱۸۔۱۹، بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۰۹ء)

اسی طرح بائبل نے ایک پاگل خانے کے ڈاکٹر کے اس دعوی کی تصدیق کی ہے کہ انسانی جسم کے علاوہ گھر اور کپڑے وغیرہ کو بھی کوڑھ کی بیماری ہوسکتی ہے (اَحبار: ۱۴/ ۳۳۔۴۵، بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۰۹ء) جسے عقل اور میڈیکل سائنس نے ناقابل یقین اور خلاف حقیقت قرار دیا ہے۔

الحاصل! چونکہ خود بائبل نے دو چیزیں ایسی ذکر کی ہیں جن سے اہل مسیحیت کو راہ فرار نہیں ہے (۱) قربانی جس بیٹے کی دی گئی ہے وہ اکلوتا تھا (۲) حضرت اسماعیل علیہ السلام پر چودہ سال کا عرصہ ایسا گذرا ہے جب وہ اکلوتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کے علاوہ کوئی لڑکا اکلوتا نہیں تھا بھلے ایک ہی لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو۔ اس لیے مستشرقین نے سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ معاذ اللہ حضرت اسماعیل کی قانونی حیثیت کو مشکوک بنا کر حضرت اسحٰق کو دائمی اکلوتا ثابت کیا جائے۔ مگر پاک ہے وہ ذات جس نے جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کے لیے اصل نقاط کو قطع و برید سے محفوظ رکھا اور حقیقت کو بے غبار کرنے کی راہ ہمیشہ کے لیے کھلی رکھ چھوڑی۔ سبحان ما اعظم شانہ ۔ ان شاء اللہ اس پر مزید تفصیل اور نکات ہماری آنے والی کتاب ''ذبیح کون؟ قرآن اور بائبل کے تناظر میں'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جاوید احمد عنبر مصباحی

ambermisbahi@gmail.com

بانی وسربراہ: علامہ فضل حق خیر آبادی چیریٹیبل فاؤنڈیشن، جزیرہ انڈمان۔ ہند +91-9679583583

ترکی کا تیرِ بے ہدف

صدر طیب اردگان نے مسلم دنیا کا نیلسن منڈیلا بننے کا موقع ضائع کر دیا۔

تحریر: مولانا وقار احمد دوحہ قطر

مابعد بغاوت، ترکی کے حالات پر مولانا وقار احمد کا بے لاگ تبصرہ۔ اس پر قارئین کی مثبت رمنفی آرا کا انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

پندرہ جولائی 2016 کی شام چند دوست ملاقات کے لیے آئے اور ترکی میں فوجی انقلاب کی خبر بطور سوغات ساتھ لائے۔ اوسان خطا ہوتے ہوتے رہ گئے۔ جب فوراً ہی الجزیرہ سے رجوع کیا اور پتہ چلا کہ ترکی کی تمام تر سیاسی قیادت سلامت ہے اور رجب طیب اردغان کے اعلان پر لبیک کہتے ہوئے عوام انقلابیوں کی مزاحمت کے لیے سڑکوں پر اتر آئے ہیں۔ قدرے اطمنان ہوا تاہم اس کشمکش کے ساتھ نیند کی آغوش میں چلے گئے کہ پتہ نہیں کل کا سورج پچھم سے طلوع ہوگا یا پورب سے۔ خیر سے رات گزری اور مسرت بہ داماں صبح نے انقلاب کے ناکام ہونے کا پیغام دیا۔ اس کے بعد جوں جوں گھڑیاں گھنٹوں اور گھنٹے دنوں میں بدلتے گئے شادمانی کا احساس انجان اندیشوں کی نذر ہوتا چلا گیا۔

انقلاب کے خلاف مزاحمت کے دوران ہی ترکی کی قیادت نے اس کا ٹھیکرا فتح اللہ گولن کے سر پھوڑ دیا اور انقلاب کی ناکامی کے بعد گرفتاریوں اور انتقامی کارروائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا جو تا حال جاری ہے. ساٹھ سے ستر ہزار کے درمیان گرفتاریاں ہوئیں جن میں فوجی افسران وملازمین، پولیس اہلکار، وکلاء، جج صاحبان اور ابتدائی درجے سے لے کر یونیورسٹی سطح کے اساتذہ و محققین شامل ہیں. ستم یہ کہ غضب سے مغلوب ارباب اختیار نے سیکڑوں بیش بہا تعلیمی اداروں، تنظیموں اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والی انجمنوں کو بھی بند کر دیا. اسی پر بس نہیں بلکہ دو قدم اور آگے بڑھتے ہوئے وہ تمام ٹیلی ویژن چینلز، اخبارت اور اربوں کھربوں میں کاروبار کرنے والی کمپنیاں اور کارخانے بند کر دیے گئے جن کا تعلق گولن تحریک سے تھا. ساتھ ہی ہزاروں افراد کے پاسپورٹ منسوخ کیے گئے اور بیرون ملک سفر پر پابندی عائد کر دی گئی.

یہ سب کچھ تب ہوا اور ہوتا جا رہا ہے جب فتح اللہ گولن چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے تھے اور ہنوز کہتے جا رہے ہیں کہ ان کا اس انقلاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دانش مندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ انقلاب کی کوشش میں براہ راست شریک افراد کو سخت ترین عبرتناک سزا دی جاتی اور مشکوک افراد پر نظر رکھتے ہوئے ان کے دلوں کو جیتنے کے جتن کیے جاتے۔ چہ جائیکہ اتنے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی جائیں اور فتح اللہ گولن کے انکار کے باوجود اس کی گرفتاری پر اصرار کیا جائے، اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ عالمی پیمانے دوست اور دشمن تبدیل کیے جائیں جیسا کہ ترکی قیادت کر گزری ہے۔ کل تک شام کے معاملہ میں امریکہ اور ترکی ایک صف میں تھے، روس صف دشمناں میں کھڑا تھا اور آج اردگان ماسکو میں پوتین کے ساتھ دیکھے گئے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے جب ترکی سپاہ نے روسی طیارے کو مار گرایا تھا تو پوتین نے ٹیلیفون پر اردگان کا سلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اردگان نے اپنے وطن کی آزادی اور خودمختاری کے حوالے سے روس کو واضح اور دوٹوک پیغام دیا تھا، نیز روس کو ترکی کے حدود کے احترام کی خلاف ورزی پر واضح الفاظ میں دھمکی بھی دی تھی۔ راتوں رات ایسا کیا ہوگیا کہ جن دو خلابازوں نے روس کے طیارے کو مار گرایا تھا وہ تفتیش کی زد میں آ گئے اور ترکی قیادت نے ان پر یہ الزام منڈھ دیا کہ ان دونوں نے روس سے تعلقات کو دانستہ خراب کرنے کی نیت سے طیارہ گرایا تھا، جبکہ گزشتہ دنوں وہ دونوں اسی قیادت سے داد شجاعت وصول کر

رہے تھے۔

میں کوئی سیاست داں نہیں ہوں لیکن میری پہلی اور آخری نظر میں بھی یہ سارا ماجرا سیاسی ناپختگی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

ترکی کی گزشتہ نوے 90 سالہ تاریخ سے تقریبا ہر پڑھا لکھا شخص کم و بیش واقف ہے۔ لہٰذا اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، جو بات سمجھنے اور سمجھانے کی ہے وہ یہ ہے کہ گولن کون ہیں اور اردگان جدید ترکی کے ہیرو کیسے بنے؟

عالم اسلام میں عموما اور ترکی میں خاص طور پر لوگ ترکی کی تجدید کا سہرا دؤ سروں پر باندھتے ہیں، جن میں ایک نجم الدین اربکان کا سر ہے اور دوسرا فتح اللہ گولن کا۔ نجم الدین اربکان کو (ابو الاسلام السیاسی) سیاسی اسلام کا بابائے قوم اور فتح اللہ گولن کو (ابو الاسلام الاجتماعی) معاشرتی اسلام کا بابائے قوم کہا جاتا ہے۔ دونوں رہنما اپنے اپنے دائرہ کار میں یکتا ہوتے ہوئے کبھی ایک دوسرے کے مخالف رہے ہوں ایسی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ بلکہ جہاں جہاں اور جب جب ضرورت محسوس ہوئی ایک دوسرے کا دست و بازو بنے۔ جس کی تازہ مثال ترکی کے پچھلے انتخابات ہیں جن میں فتح اللہ گولن نے کھل کر نجم الدین اربکان کے سیاسی وارث رجب طیب اردگان کا ساتھ دیا۔ سیاسی دشمنی میں ایک حریف دوسرے کو جو چاہے الزام دے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے اسلامی افکار و اقدار ایک ہی ہیں۔ فتح اللہ گولن سید بدیع الزماں نورسی کی دعوتی تحریک کے وارث ہیں اور اردگان ان کے پیروکار۔ حیرت ہوئی جب یہ پڑھنے سننے کو ملا کہ اردگان کو فتح اللہ گولن کے ساتھ اپنی پرانی صحبتوں پر افسوس ہے۔ جب کہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اردگان؛ اردگان بن ہی نہیں سکتے تھے اگر گولن کا ساتھ میسر نہ ہوتا، خواہ سیاسی اعتبار سے کہیں یا مذہبی نقطہ نظر سے۔ ترکی کا سارا مذہبی مواد تو گولن ہی کا ہے۔ رہی سیاسی کامیابی پر اپنی پیٹھ تھپتھپانے کی بات تو الیکشن سے قبل اگر گولن سے پنجہ آزمائی کر لیتے اور پھر جیت کر ایوان میں پہنچتے تو بات سمجھی جاسکتی تھی۔

جو گولن کبھی آنکھ کا سرمہ تھے آخر کانٹا کیوں بن گئے؟ بات سنہ 2013 کی ہے جب ذرائع ابلاغ نے اردگان کے مقربین وزراء اور سیاسی اہل کاروں کے خلاف مالی بدعنوانی کے الزامات عائد کیے اور اعلی عدالت کے جج حضرات نے احتساب کا عمل شروع کرنا چاہا تو اس کو قبول کرنے کی بجائے اردگان نے اسے عدالتی انقلاب کا نام دے کر شفافیت کا گلا گھونٹ دیا۔ اور گولن تحریک کو اس کا مورد الزام ٹھہرا کر اس کے منتسبین کو عتاب کا نشانہ بنایا۔ یہی وہ دورانیہ تھا جب اردگان نے گولن کو اپنا حریف باور کیا اور کروایا۔

اب جو حالات ہیں ان میں ترکی کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے بارے میں قابل رشک پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ سیاسی حالت کا اندازہ مشرق وسطی کی خانہ جنگیوں، خاص طور پر پڑوسی ملک شام کی خوں ریزی اور مہاجرین کا مسئلہ جو ترکی کے لیے سردست بڑا دردسر ہے، اسرائیلی عزائم اور ایران کی لامحدود خواہشات کے ساتھ حالیہ دنوں ناکام انقلاب کے بعد یوروپی ممالک کی ترکی سے بیزاری اور امریکہ سے گولن کی حوالگی کے نام پر خواہ مخواہ کی دشمنی اور روس سے عزت نفس کی قیمت پر دوستی سے لگایا جاسکتا ہے۔ اب تک یہ سمجھا جارہا تھا کہ ترکی شام کے انقلابیوں کے ساتھ بشارالاسد کا بدترین مخالف ہے لیکن اب کے حالات میں وہ بشارالاسد اور روس کے ساتھ کھڑا ہوا نظر آرہا ہے جو واضح طور پر سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک کا مخالف خیمہ ہے۔ مصر سے اس کے تعلقات پہلے ہی خراب تھے۔ اب یہ سمجھنا دشوار تر ہے کہ ترکی کے ساتھ روس کے علاوہ اور کون کھڑا ہے۔

یہ تو رہا عالمی اور علاقائی سیاست کا منظرنامہ۔ اب آیئے اندرون ملک ترکی کی سیاست کس کروٹ بیٹھے گی اس پر ایک نظر ڈالیے پھر معاشرتی اور اقتصادی معاملات بھی بڑی حد تک اسی پر منحصر ہیں۔

جن ستر ہزار نفوس کو گرفتار کیا گیا ہے یا روزگار سے فارغ کیا گیا ہے وہ سب کے سب یقیناً ترک باشندے ہیں، جہاں ان کے

خاندان آباد ہیں، رشتہ داریاں ہیں، سماجی قربتیں ہیں اور احباب کے حلقے بھی ہوں گے اور ان سب پر مستزاد گولن تحریک کے فیض یافتگان کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی جو یقیناً کروڑوں میں ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن کی وفاداریاں تبدیل بھی ہوئی ہوں گی، عوامی مزاج جس طرح آج اردگان کی جمہوریت کو مظلوم سمجھ کر اس کا ہم نوا نظر آرہا ہے، بالکل اس کے برعکس آنے والے کل میں جمہور کو اس نظام میں آمریت کا پرتو نظر آئے گا۔ ترکی کا اسلامی سماج جو گزشتہ کل تک ایک دھاگے میں پرویا ہوا نظر آرہا تھا آنے والے کل میں بری طرح بکھرتا ہوا نظر آرہا ہے۔ جہاں اب تک صرف اسلام کی بات ہوتی تھی وہاں اب فرقوں کی بات ہوگی، کیوں کہ حکمراں طبقہ گولن تحریک کو ایک گمراہ فرقہ کے طور پر متعارف کروانے کے درپے ہے۔ پچھلی ایک صدی سے سیکولرزم کے مارے ہوئے مسلم سماج نے ابھی کھڑا ہونا سیکھا ہی تھا کہ لگتا ہے اس کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی گئی۔ رجب طیب اردگان کی نیت پر شبہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اس کے باوجود ان کے کچھ کام ایسے ہیں جو یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے ایسا بہت کچھ کرتے ہیں جو نہیں کرنا چاہیے۔ مالی بدعنوانی کے ملزمین سے درگزر، اور الزام لگانے والوں پر بلاتحقیق عدالتی انقلاب کا الزام، اپنے داماد کو فوج کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز کرنا، نظریاتی اختلاف رکھنے والے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں کو کنارے لگانا جن میں سابق وزیر اعظم احمد داؤد اوغلو اور سابق صدر عبداللہ گل سرفہرست ہیں۔

ترکی کی اقتصادیات ظاہر ہے کہ کمزور ہو رہی ہے اور مزید اس کے کمزور ہونے کا اندیشہ یقین کی حد تک ہے۔ جس ملک کی مکمل آبادی ہی آٹھ کروڑ ہو جن میں خواتین اور بوڑھے بچے سب شامل ہوں اس ملک میں ستر ہزار خاندان کی ملازمت چھین لی جائے جن میں کم و بیش پچیس سے تیس ہزار خاندان کے کمانے والے افراد کو لمبی قید اور بہتوں کو سزائے موت دے دی جائے جس کا قوی امکان ہے، سیکڑوں تجارتی کمپنیاں، کل کارخانے، تجارتی مراکز، درجنوں ٹیلی ویژن اور اخبارات بند کر دیے جائیں، بے شمار افراد کے بیرون ملک سفر پر پابندی لگا دی جائے وہاں بے روزگاری نہیں بڑھے گی اقتصادی مندی نہیں آئے گی تو اور کیا ہوگا۔

ان حالات میں حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ سیاسی حکمت عملی تبدیل کی جاتی، براہ راست جرم کے مرتکب کو سزا دی جاتی، اختلاف رائے رکھنے والوں کے شکوے سنے جاتے، وسیع تر قومی مفاہمت کی فضا تیار کی جاتی اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کا حوصلہ پیدا کیا جاتا۔ کسی انقلاب کے وقتی طور پر ناکام ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ پھر دوسرا انقلاب تعاقب میں نہ ہو۔ اگر رجب طیب اردگان نے حالات کا درست تجزیہ نہیں کیا اور اپنا طرز عمل تبدیل نہیں کیا تو ایسا لگتا ہے کہ پہلا انقلاب ناکام ہو گیا لیکن دوسرا انقلاب ناکام نہیں ہوگا۔

ترکی کی قیادت گولن تحریک کو حرف غلط کی طرح مٹانے میں بہت عجلت دکھا رہی ہے۔ اس کار خیر کے لیے اس نے سب سے بڑا تیر جو مارا ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ تحریک کے تمام چھوٹے بڑے تعلیمی اداروں کو بند کر دیا۔ اساتذہ فارغ ہو گئے اور طلبہ کا مستقبل بے سمت۔ اپنے ملک کے اداروں کو ویران کرنے کے بعد بھی آتش انتقام نہیں بجھی تو دوست ممالک کا رخ کیا اور اسی ضمن میں ترک وزیر خارجہ پاکستان جا پہنچے۔ سرتاج عزیز کے سامنے دوستی کا حوالہ دیتے ہوئے گولن تحریک کے ذریعہ چلائے جا رہے تعلیمی اداروں کو بند کرنے کی تجویز پیش کی۔ پاکستانی وزیر نے حکمت سے کام لیتے ہوئے اداروں کو بند کرنے سے معذرت کر لی۔ البتہ ترک وزیر کو یقین دلایا کہ ان اداروں میں کسی قسم کی منفی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے گی۔

تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ پاکستان میں گولن تحریک کے تحت چلائے جا رہے 28 اسکولوں کے پرنسپل کو سبک دوش کر دیا گیا ہے جن میں 23 ترک باشندے ہیں۔ اب ان کی جگہ نئے سرے سے

پاکستانی شہریوں کو بحال کیا جائے گا۔

عمومی طور پر یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ مسلم ممالک میں جہاں کوئی حادثہ ہوا فوراً ہی الزام واتہام کی انگلی امریکہ اور اسرائیل کی طرف اٹھ جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہر معاملہ میں صحیح یا غلط ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ طرز فکر وعمل غلط ضرور ہے۔ ہم اپنے گھر کے دروازوں کو بند کرنا ضروری کیوں نہیں سمجھتے۔ آخر اسے کھلا چھوڑتے ہی کیوں ہیں کہ جب جی چاہے چور ہمارے گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔ آخر کوئی ملک امریکہ، اسرائیل یا یوروپی ممالک میں اس قسم کی بدامنی کیوں نہیں پھیلا سکتا۔ اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ وہاں کے عوام اور حزب اختلاف ارباب اقتدار کی شفافیت سے مطمئن ہیں۔ عدالتیں آزاد ہیں۔ ان کی باز پرس پر حکومتیں انقلاب کا الزام نہیں دھرتیں۔ اپنی خامیوں اور عاقبت نااندیشیوں پر پردہ ڈالنے اور دوسروں پر الزام عائد کرنے کا لازمی نتیجہ اندرون خانہ بدامنی اور بین الاقوامی سطح پر تنہائی ہی ہوتا ہے۔ کیا ضروری تھا کہ ناکام انقلاب کا الزام امریکہ کو دیا جائے۔ اگر یہ درست ہے تب بھی ڈپلومیسی اختیار کی جانی چاہیے تھی اور محتاط عمل ورد عمل کے ذریعہ معاملہ کو آگے لے جانا چاہیے تھا۔ براہ راست الزام دے کر امریکہ کو مجرم قرار دینا اور اس کے بعد گولن کی حوالگی کا مطالبہ کرنا اور ساتھ ہی روس سے دوستی کے لیے ماسکو کا سفر کرنا پے در پے عجلت میں کیے گئے اقدامات ہیں جن سے کچھ بھی بھلا ہوتے نہیں جا رہا ہے.

سارے منظر نامے کو سامنے رکھیں اور غور کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ترکی کی حالیہ قیادت انتہائی بزدل ثابت ہوئی ہے۔ 2013 سے لے کر اب تک اس کے سارے اقدامات خوف کے سائے میں اٹھائے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ نقطہ نظر کے اختلاف کو برداشت کرنے پر کسی طور آمادہ نہیں۔ باحوصلہ قیادت بردبار ہوتی ہے ،اور بردباری سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں جس سے ریاست وحکومت کی آبیاری کی جاتی ہے۔ اور سب کو ساتھ لے کر وطن کی تعمیر وترقی کے خواب تعبیر کیے جاتے ہیں جسے عرف عام میں جمہوریت کہا جاتا ہے۔ ترکی کی موجودہ حکومت باوجود اس کے کہ جمہوریت کی دعویدار ہے؛ جمہوری نہیں ہے۔ محض روایتی طور پر منتخب ہو کر اقتدار حاصل کر لینے سے ہی کوئی حکمراں جمہوری نہیں ہو جاتا، اس کے لیے مزاج کا جمہوری ہونا زیادہ ضروری ہے۔ کہنے کو تو قذافی، صدام، علی عبداللہ صالح اور بشار بھی منتخب ہو کر آتے رہے ہیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اقتدار وراثت میں ملا تھا۔ دنیا کے سامنے ان سبھوں کے سیاسی وحکومتی رویے درس وعبرت کا نشان ہیں۔

ایک مسلم فاتح قائد کا رویہ مغلوب مخالفین کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟ خاص طور پر ان حالات میں جب مخالف خیمہ میں بھی اپنے بھائی اور سابق حلیف ہی ہوں؟ اور ایسے ملک میں جہاں جمہوریت کے راگ الاپے جاتے ہوں؟ چند سو افراد کی مجرمانہ حرکت کی سزا ہزاروں ملازمین کے لاکھوں بچوں کے پیٹ پر لات مار کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ کیسی صاحب بصیرت قیادت ہے جس نے سیکڑوں تعلیم وتدریس کے سرچشموں کو بیک جنبش زبان خشک کر دیا؟

کیا اللہ کے رسول علیہ الصلوات والتسلیمات نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ فتح مکہ کے دن جو حسن سلوک کیا تھا، ہمارے مسلم فاتح قائد اس سے نابلد ہیں؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان کے لیے اسوہ حسنۃ وکاملۃ نہیں ہے تو پھر وہ کہاں سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور منصب قیادت ان کی قامت زیبا پر کیوں کر پورا اترتا ہے؟

صلاح الدین ایوبی نے القدس فتح کرنے کے بعد صلیبیوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا، کیا انہیں یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک ناکام انقلاب کے تعاقب میں وہ اتنا دور نکل جائیں کہ غبار راہ کے پیچھے دوسرے انقلاب کی بنیاد پڑ جائے اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو کہ ان کے مخالفین بھی اتنے ہی ترک ہیں جتنے وہ ہیں۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ ترکی کی قیادت بصیرت سے کام لے اور وہاں امن واستقرار قائم ودائم رہے۔ ☆

فتنۂ دین الٰہی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

تحریر: نورین علی حق

ابوالمجد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نابغۂ روزگار ہندوستانی علماو مشائخ میں ہیں اور بلاشبہ اپنی مجموعی خدمات کے اعتبار سے تفوق و برتری رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ نے کسی ایک فن یا علم پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کی۔ اس کے باوجود ان کی کئی کتابیں اب تک مراجع اور مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تجوید، سیر و تذکرہ اور خطوط نویسی تمام علوم وفنون کا کما حقہ حق ادا کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مؤرخین و محققین ان کی بارگاہ میں اب تک جبیں سائی کرتے نظر آتے ہیں اور مختلف مکاتب فکر کے متشدد علما ان کے علمی آثار و اثاثہ میں اپنے مخصوص ایجنڈوں کے مخالف مواد کی موجودگی کے باوجود انہیں کھینچ تان کر اپنی تصانیف اور تقاریر کی زینت بناتے ہیں۔

حضرت شیخ کی تصانیف میں مدارج النبوۃ، جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، احوال ائمہ اثناعشر خلاصہ اولاد سید البشر، زاد المتقین، اخبار الاخیار، اشعۃ اللمعات اور کتاب المکاتیب والرسائل کو جتنی مقبولیت ملی شاید ہندوستانی علما کی تصانیف کو کم ہی ملی ہوگی۔

حضرت شیخ نے عملی طور پر تفسیر و حدیث کو رواج دینے کا بھی بڑا کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے اس پرآشوب زمانہ میں مدرسہ قائم کیا، جب محمد احمد جیسے نام رکھنا بھی بادشاہ کی نظر میں جرم تھا۔

آج کی نئی نسل عہد اکبری کے خاتمہ کے چار صدیوں بعد عالم وجود میں آئی۔ اس دوران اکبری عہد کو مختلف ناحیوں سے دیکھا گیا اور اپنے مقاصد کے حصول اور اپنے ایجنڈے کے مطابق قارئین کے سامنے پیش کیا گیا۔ آئین اکبری، اکبر نامہ از ابوالفضل، منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی، دربار اکبری از مولانا محمد حسین آزاد، طبقات اکبری از مرزا نظام الدین، آب کوثر و رود کوثر از شیخ محمد اکرام، تاریخ دعوت وعزیمت (جلد چہارم) از ابوالحسن علی حسنی ندوی، سیرت مجدد الف ثانی از پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی نقشبندی یہ وہ اہم کتابیں ہیں، جن میں باضابطہ عہد اکبری کو بیان کیا گیا ہے۔ ابوالفضل، مولانا محمد حسین آزاد اور شیخ محمد اکرام کے علاوہ اس فہرست میں موجود اور نقشبندی سلسلہ کے دیگر مؤرخین عام طور پر عہد اکبری سے نالاں نظر آتے ہیں اور اس کی فتوحات اور اچھائیاں بھی انہیں خراب ہی نظر آتی ہیں، جس کی وجہ سے نئی نسل التباس فکری کا شکار ہوتی ہے۔ منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے شیخ مبارک، فیضی فیاضی اور ابوالفضل کی شاذ و نادر ہی اچھائی بیان کی ہے۔ ان کے نزدیک ان کی تمام باتیں الحاد و بے دینی کا پیکر ہیں۔

مؤرخین کا ایک طبقہ وہ ہے، جو باضابطہ دربار اکبری سے منسلک تھا اور اکبر کے تمام تفردات اور ارتدادات کو اپنے لیے لائق عمل سمجھتا تھا، جس میں ابوالفضل کا نام سرفہرست ہے، اس کے علاوہ مغربی مؤرخین نے اس سلسلہ میں جو گل کاریاں کی ہیں، وہ تو اپنی جگہ ہیں ہی۔ ان تاریخوں کو پڑھ کر عام طور پر قاری کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح دربار اکبری میں موجود علما شرعی امور میں کھینچ تان کرتے تھے، وہ سلسلہ ہنوز بند نہیں ہوسکا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تاریخوں کے مطالعے کے بعد ایک اور طبقہ عالم وجود میں آگیا، جو کسی بھی مؤرخ کی کسی دلیل پر سر تسلیم خم کرنے کو بآسانی تیار نہیں ہے۔ ان میں مولانا محمد حسین آزاد، اور ابوالکلام آزاد ہیں۔ ان میں بھی ابوالکلام آزاد حضرت مجدد الف ثانی پر اس طرح وارفتہ اور شیدا ہیں کہ انہیں حضرت مجدد کے علاوہ کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد شیخ محمد اکرام نے نہ صرف ملا عبدالقادر بدایونی اور ابوالفضل سے اختلاف کیا ہے بلکہ ابوالکلام آزاد کے بھی کئی

نظریات کا رد کیا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی علمی و فکری اور متصوفانہ خدمات سے سرمو انحراف کی قطعی گنجائش نہیں ہے، اس کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلک سواد اعظم سے کنارہ کش ہونے والوں نے اپنے شجرۂ طریقت پر مبنی لکھی جانے والی تاریخی کتابوں کو زبردستی گراں بار کیا ہے تاکہ خاموشی کے ساتھ اٹھارہویں صدی کی بعض متنازعہ شخصیات بھی اس جدوجہد سے لیس طلائی کڑی کی زینت بن سکیں۔ بالفاظ دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آخری کڑی کو زریں کڑی دکھانے کی فکر میں پچھلی کڑیوں کو بھی ان کے حقیقی رنگ و روغن سے کچھ زیادہ ہی قلعی کر دی ہے۔

یہ کوششیں اتنی زیادہ کی گئیں کہ اس زمانہ میں موجود دیگر اہم اور ناقابل فراموش شخصیات بھی ان کے اذہان سے محو ہو گئیں۔ حالانکہ ان شخصیات کی خدمات بھی کچھ کم نہیں تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ نظر انداز کی جانے والی شخصیت کا نام ابوالمجد محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حالانکہ شیخ موصوف نے بھی ان تمام امور کی انجام دہی میں بھرپور حصہ لیا، جن کی انجام دہی کا مطلب اس زمانے میں جان ہتھیلی پر رکھنا تھا۔ صرف اتنا ہی ظلم نہیں ہوا کہ شیخ کو نظر انداز کیا گیا، اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ بعد کے جن مؤرخین نے اس زمانہ کے علمائے راسخین کا تذکرہ کیا، انہوں نے ان کی خدمات کی درجہ بندی بھی کر دی ہے اور باضابطہ یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں کے بعد فلاں کا نمبر ہے۔ نہ جانے کس نے انہیں اس ججمنٹ کا حق دیا اور کیوں دیا تھا؟ میرے خیال میں شاید دربار اکبری کے علما بھی کسی مسئلہ پر اسی طرح کے تضادات بیان کرتے ہوں گے، جن کی بنا پر اکبر نہ صرف اس زمانہ کے علما سے بلکہ علمائے متقدمین سے بھی برگشتہ ہو گیا ہوگا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ دین الہٰی کے دوران شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی سرگرمیوں کے بیان سے پہلے اس ماحول کو بیان کر دیا جائے، جو اسلامی ہند میں نہ اس سے پہلے برپا کیا گیا اور نہ ہی اس کے بعد۔

یوں تو اکبر کا ابتدائی زمانہ ایک سنی مسلمان کی حیثیت سے گزرا، وہ بزرگان دین کے مزارات کا قصد کرتا تھا، سجادہ نشینوں کی بارگاہوں میں نذرانے پیش کرتا تھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے شہزادہ سلیم المعروف جہانگیر کی پیدائش ہوئی۔ اس نے اپنی منت پوری کرنے آگرہ سے اجمیر شریف کا پا پیادہ سفر کیا۔ اپنے استاذ صدر الصدور شیخ عبد النبی کی جوتیاں بھی کئی بار سیدھی کیں۔ عبادت و ریاضت اور تسبیح و تہلیل میں بھی انہماک کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ امتداد وقت کے ساتھ اس کا مزاج بدلتا رہا۔ علما کی آپسی رنجشوں، راجپوت گھرانوں سے رشتۂ ازدواج، نصرانی و آتش پرست اور ہندو پنڈتوں سے اس کے روابط نے اسے بد دین و ملحد بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس نے سیاسی مصالح اور ملک کی اکثریت کو رام کرنے کے لیے بہت سارے فیصلے کیے تھے، انہی فیصلوں نے اس کی آخرت تباہ کر دی، بلکہ ہندوستان میں ایک متوازی دین 'دین الٰہیۂ' کے قیام پر بھی ابھارا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے بادشاہ کے ذریعہ اسلام کا مذاق اڑایا گیا، اس دور کے بعض نام نہاد علما نے بھی اپنی ذاتی خلش مٹانے اور دل میں بھڑکنے والے انتقامی جذبے کی نذر پورے اسلام کو کر دیا، محضر نامہ کی ترتیب و تدوین بھی شیخ مبارک نے کر دی تاکہ انہیں بادشاہ وقت کا تقرب حاصل ہو سکے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی رقم طراز ہیں۔

''لیکن زہد و ورع کے باوجود اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں بھی کی تھیں شاید سیاسی مصالح کی بنا پر۔ چنانچہ ۹۷۰ھ میں جب اکبر اجمیر شریف گیا اور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ (۶۳۳ھ) کے آستانے پر حاضری دے کر واپس ہوا تو جے پور میں راجہ بہادر مل نے غالباً اظہار وفاداری کے طور پر اپنی صاحب زادی پیش کی، جو غیر شرعی نکاح کے بعد حرم میں داخل کر لی گئی۔ انہی سیاسی مصالح کی بنا پر اکبر نے ۹۷۲ھ میں جزیہ بھی معاف کر دیا، جو بہت بعد میں دور عالم گیری میں ۱۰۹۰ھ میں دوبارہ نافذ کیا گیا'' (سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۲۰)

اس اقتباس سے نہ صرف اکبر کی جہالت کا انداز ہوتا ہے کہ

اس نے غیر شرعی نکاح کے ذریعہ غیر مسلم خاتون کو حرم میں داخل کیا بلکہ یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ راجپوت زادی کے اثرات اکبر پر اس قدر مرتب ہوئے کہ اس نے سال دو سال میں ہی جزیہ معاف کر دیا۔

ہندو گھرانوں سے رشتہ داریوں کے اثرات کو تاریخ دعوت وعزیمت میں یوں بیان کیا گیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام مخالف اعمال کی انجام دہی میں خواتین خانہ کا بڑا رول تھا۔

''اکبر کے لیے ایک بڑی آزمائش کی بات اور اسلام سے اس کے مزاج کے منحرف ہونے کا ایک قوی سبب یہ تھا کہ اس نے استحکام سلطنت کے لیے راجپوت راجاؤں کے ساتھ رشتے ناطے کیے اور ان کا اعلیٰ ترین مناصب پر تقرر کیا اور ان کا پورا اعتماد حاصل کرنے اور ان کو شیر وشکر کرنے کے لیے بہت سے ایسے کام کیے، جو اس سے پیشرو سلاطین نے ابھی تک نہیں کیے تھے مثلا ذبح گاؤ کی ممانعت، آفتاب کے رخ بیٹھ کر جھروکا درشن، داڑھی منڈوانا، بھدرا کروانا، قشقہ لگوانا، ہندو رانیوں کے ساتھ مل کر تمام ہندوانہ رسموں میں حصہ لینا، ان ہندو رانیوں کا اور ان کے واسطہ اور رشتہ سے ان کے بھائیوں اور عزیزوں کا اکبر پر خاصا اثر تھا، اور یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ دین کے ایوان میں سب سے پہلا تزلزل جو واقع ہوا وہ اسی تعلق کا نتیجہ تھا۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت چہارم ص ۱۰۷)

ہر زمانے کے علمائے سو اپنے ذاتی مفاد کو اہمیت دیتے ہیں۔ جیسا کہ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم عہد اکبری کے علما پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اس وقت کے علما کے حالات آج سے کچھ بہتر نہیں تھے۔ اس دور میں بھی تجہیل وتکفیر کا بازار گرم تھا۔ اپنے مفاد کی خاطر دامن اسلام کو داغدار کرنے کا انہیں کوئی قلق نہ تھا۔ گو کہ اکبر اپنے ابتدائی زمانہ میں بقول ملا عبد القادر بدایونی علما کو غزالی و رازی سے بہتر سمجھتا تھا لیکن ان کی یہ سخیف حرکتیں دیکھیں تو علمائے سلف کو بھی انہیں پر قیاس کر کے سرے سے علما ہی کا منکر ہو گیا۔ بھرے دربار میں اکبر کو ملا عبد القادر بدایونی سے یہ بھی کہنا پڑا کہ علما میں سے، جو دربار کی عزت وناموس پامال کریں انہیں باہر نکال دیا جائے۔ ایک طرف سازشیں کر کے علما نے شیخ مبارک ناگوری کو در بدر کرایا تو دوسری جانب مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری اور صدر الصدور شیخ عبد النبی آپس میں رقیب و حریف بن گئے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر دربار میں چیختے چلاتے تھے۔

علمائے سو کے غلط رویے، ان کی آپسی چپقلش اور رنجشیں، دوسری طرف حرم میں داخل خواتین کا اصرار اور اپنوں کو قریب کرنے اور اعلیٰ منصب پر مقرر کرنے کی فکر نے آہستہ آہستہ علما کو اکبر سے اور اکبر کو اسلام سے دور کر دیا۔ اب اسے سورج کی پرستش، غیر شرعی رسوم وآداب، قشقہ لگانے اور جنیو پہننے میں مزہ آنے لگا، جس کے خواہاں بہت سے درباری بھی تھے۔ ان میں خود شیخ مبارک ناگوری اور ان کے دونوں ملحد ساز صاحبزادگان شامل ہیں۔ پہلے محضر نامہ اور پھر دین الٰہی کا قیام عمل میں آیا اور آگے ڈاکٹر محمد باقر کا یہ بیان سنیے۔

''ابو الفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد میں اچھا خاصا دخل پیدا کیا چنانچہ جب اکبر نے ۹۸۲ھ/۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری میں مذہبی علما کے مباحثے سننے کے لیے عبادت خانہ قائم کیا تو ابو الفضل علما کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوتا اور ہمیشہ اکبر کے عقائد کی طرف داری کرتا، یہاں تک کہ اس نے اکبر کو یہ سمجھایا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علما سے کہیں افضل اور برتر ہیں اور ۱۵۷۹ء میں دربار شاہی سے ایک محضر جاری کیا، اس کی رو سے مذہبی علما کے اختلافات نپٹانے کے لیے آخری حکم اکبر کو بنا دیا گیا، عبادت خانہ کے مناظروں کے درمیان ہی میں اکبر کو ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا شوق چرایا، اور اس نے ۱۵۸۲ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی اسے ابو الفضل نے بھی قبول کیا۔'' (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد اص ۸۸۹-۸۹۰)

یہ تصور بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک جاہل کو عالم سے علمیت اور تفقہ دین کی سند مل جائے تو وہ کیا گل کھلائے گا۔ ہوا یہی کہ تینوں باپ بیٹے مفروضہ دین الٰہی پر ایمان لائے اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ اس دین میں جوئے، سود، شراب اور لحم خنزیر کو حلال کر دیا گیا اور رسم ختنہ، ذبیحہ گاؤ، قانون نکاح، تدفین وتکفین کو حرام یا ان کے قوانین میں ترمیم کر دی گئی۔ آتش پرستی، آفتاب پرستی، گنگا جل کے استعمال،

تصویر کشی، سجدۂ تعظیمی پر اصرار ہوگیا۔اب دربار کا عام رواج اور رجحان دین اسلام کی تحقیر، تاریخ ہجری سے تنفر، مقام نبوت کی اہانت، اسراو معراج کا استہزا ہوگیا۔حد تو یہ تھی کہ دیوان خانہ میں نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔اس نے اپنے زمانہ میں **لاالہ الااللہ اکبر خلیفۃاللہ** کا کلمہ بھی ایجاد کرلیا تھا۔

آخری ایام میں اکبر کی دین اسلام کی طرف واپسی کے حوالہ سے بعض مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے مگر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعزیت نامہ، پروفیسر مسعود احمد کا ان اختلافات پر نتائج کا اخذ اور ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تحقیق کے مطابق وہ ملحد ہی اس دنیا سے ۱۰۱۴ھ میں واصل جہنم ہوا۔

۹۸۷ھ میں محضر نامہ کے اجرا کے بعد ۱۵۸۲ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد حضرت شیخ سیف الدین دہلوی کا انتقال پر ملال ۹۹۰ھ میں ہوا۔ یہاں تک بات واضح ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے والد ماجد کے انتقال تک ان کی بارگاہ میں باریاب رہے۔ ۹۹۲ھ بمطابق ۱۵۸۷ء میں سفر حج پر روانگی سے پہلے آپ دار السلطنت فتح پور سیکری میں بھی رہے تھے، اس دوران فیضی فیاضی، ابوالفضل، ملا عبدالقادر بدایونی اور مرزا نظام الدین احمد کے شیخ محدث سے مراسم تھے اور خود حضرت شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ان لوگوں نے حضرت شیخ کی خاطر تواضع کی تھی لیکن وہاں کے حالات کو انہوں نے اپنے استاذ و شیخ عبدالوہاب متقی سے بڑے دردناک لہجہ میں بیان کیا ہے۔

دراصل ہندوستان سے حجاز کا سفر بعجلت تمام اختیار کرنا اس بات کی غماضی کرتا ہے کہ شیخ موصوف کو بھی ان کی خداداد صلاحیتوں اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے دین اکبری کی طرف کھینچا جا رہا تھا اور ایسے ماحول میں رہنا ان کے لیے ایک دشوار ترین کام ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ ۹۹۵ھ میں گجرات پہنچے، وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ سفر حجاز کا موسم گزر چکا ہے۔آپ نے واپس شمال کا رخ نہیں کیا ایک سال تک گجرات میں ہی ٹھہرے رہے۔ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ یہاں کے ماحول سے کتنے متنفر ہو چکے تھے، حالانکہ فیضی و ابوالفضل مال و زر کی جھولیوں کے دہانے آپ کے لیے کھول سکتے تھے اور آپ بھی دیگر علما کی طرح درباری کی روش اختیار کر سکتے تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔حضرت شیخ اپنے مکتوبات میں ہنگامہ آرائی کے زمانہ کو ستر و کتمان کے ساتھ جگہ جگہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک جگہ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: بے بسوں کے مددگار اور پریشان حال لوگوں کے راہ نما نے مجھے اپنی طرف بلا لیا اور مجھ بے خانماں کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنے گھر کی طرف کھینچ لیا اور مجھ نامراد کو منزل مراد تک پہنچا دیا۔یعنی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں مجھے جگہ دی۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰۴)

ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخی غلط بیانیوں کی کئی ایک مؤرخین نے نشاندہی کی ہے، مگر وہ شیخ احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سلسلہ میں غلط بیانیوں کا سہارا نہیں لے سکتے کہ وہ خود ان دونوں شخصیات سے متاثر بھی تھے اور ان سے معاصرانہ چشمک بھی نہیں تھی۔انہوں نے شیخ عبدالحق محدث کا تذکرہ اپنی منتخب التواریخ میں بڑے معتقدانہ لب و لہجہ میں کیا ہے۔شیخ کے سفر حج کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے یہ بھی اشارہ کر دیا ہے کہ کچھ راز دارانہ باتیں انہیں بھی معلوم تھیں۔

ترجمہ: جب اہل زمانہ کی وضع میں (جو اوقات میں مخل اور مکروہات پر مشتمل ہے) فرق آیا اور ملنے والوں کے حالات اعتماد کے قابل نہ رہے اور فلاں وفلاں کی صحبت سازگار نہ ہوئی اور کعبہ شریف جانے کی توفیق رفیق حال ہوئی تو شیخ جذبہ کے عالم بے سروسامانی کے ساتھ دہلی سے گجرات کو روانہ ہو گئے۔(منتخب التواریخ ۳؍۱۱۳)

بہت ممکن ہے کہ بدایونی نے فلاں وفلاں کی تکرار سے فیضی کو ہی ہدف تنقید بنایا ہو، لیکن انہوں نے ساتھ ہی ساتھ زمانہ کی وضع کا بھی تذکرہ کر دیا ہے، جس کی وجہ سے منظر نامہ صاف ہو گیا کہ پورا ماحول ہی خرابی کی طرف مائل تھا۔اس کے علاوہ جہاں کہیں بدایونی یا خود حضرت شیخ نے سفر حج کا تذکرہ کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

شیخ محدث کو دین الٰہی کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں، اور اس سعی بے جا کے لیے زر و مال کا سہارا لیا جا رہا تھا، لیکن شیخ محدث پر تصوف کا غلبہ تھا اور ان کے سامنے متقدمین صوفیہ کی مثالیں موجود تھیں اور وہ انہیں لائق تقلید و عمل گمان کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ابنائے زمانہ سے فرار کا راستہ ہی اختیار کیا۔

ایک جگہ خود حضرت شیخ محدث لکھتے ہیں:

ترجمہ: ۹۹۶ھ میں جذبہ غیب سے پیدا ہو گیا اور دل پر وحشت طاری ہو گئی۔ دیوانگی کی حالت میں سفر کا ارادہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ (زاد المتقین بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

اس زمانہ میں بھی ایسے مؤرخین و ناقدین ہمارے معاشرہ کا حصہ ہیں، جنہیں یہ کہنے میں ذرا تأمل نہیں ہوگا کہ شیخ نے حالات کا سامنا کر کے اس کی اصلاح نہ کر سکے تو جہد زندگی سے راہ فرار اختیار کر لی، لیکن یہ اعتراض اس لیے بھی بے موقع و بے محل ہوگا کہ مٹھی بھر طاقت کے ذریعہ حکومت وقت سے ٹکرایا نہیں جا سکتا۔ اس کے برعکس اصلاح کے لیے موقع کا منتظر رہا جا سکتا ہے۔ اور موقع پاتے ہی اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اس عہد کے چند علمائے راسخین نے کیا۔ بصورت دیگر کئی ایک کو عدم کے تہہ خانے میں دفن بھی کر دیا گیا تھا۔

شیخ محدث تین سالوں ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک حجاز مقدس میں رہے۔ اس دوران انہوں نے خود کو سنوارا نکھارا اور احادیث کی اجازت بھی حاصل کی۔ یہاں میں شیخ کے اس بیان کو درج کروں گا، جس سے شیخ کے فتح پور سیکری کے قیام کے حالات کی کسی قدر تفصیل سامنے آ سکے گی۔

"یا سیدی (ای شیخ عبدالوھاب متقی) انا امرأ نشات من زمان صغری فی الریاضة للتعلم و التعبد لم اعتدبصحبة الناس و الاختلاط معھم والدخول فیھم ولماحصل لی بفضل اللہ طرف صالح من ذلک وقضیت وطري وحاجتي مماھنالک دعانی بعض اھل الحقوق الی الخروج الی ارباب الدنیا فادرکت سلطان الوقت و الامراء فاعتنوا بشانی ورفعوا مکانی و ارادوا ان یکثر و ابی سوادھم و یحکموا ویعدوا بھٰذا الضعیف صورھم و موادھم فحمانی اللہ ولم یترکنی معھم و اوجد فی قلب عبدہ جذبةھداھا الی ھٰذا المقام الشریف. (کتاب المکاتیب والرسائل ص۲۷۹)

حضرت! (شیخ عبدالوہاب متقی) میں وہ شخص ہوں، جو بچپن ہی سے تحصیل علم اور عبادت گزاری کی محنت اور ریاضت میں پلا ہے۔ میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں نہیں لایا اور جب اللہ کے کرم سے مجھے (علم کا) اچھا خاصا حصہ مل گیا اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کر لیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیادار لوگوں کی طرف بلایا۔ چنانچہ میں بادشاہ وقت اور امرا کے پاس گیا۔ انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی، میرا رتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں۔ بس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا۔ اپنے بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا، جس نے اس مقام شریف تک پہنچایا۔

ظاہر ہے بادشاہوں کی طرف اہل حقوق اور رشتہ دار راغب کرتے ہیں تاکہ انسان دنیاداروں کی طرح افراط مال و زر کو یقینی بنا سکے، ایسا ہی کچھ شیخ کے ساتھ بھی ہوا، جس کا تذکرہ انہوں نے اپنے استاد سے کیا ہے۔ وہ بادشاہ وقت اور امرا کے دربار تک پہنچے بھی اور انہیں عزت و سر بلندی سے بھی نوازا گیا، مگر وہ شخص ضمیر فروش تو بہر حال نہیں ہو سکتا، جس کی پرورش و پرداخت ہی اسلامی اور تصوف پسندانہ ماحول میں ہوئی ہو۔ دنیادار لوگ حضرت شیخ محدث کے ذریعہ اپنی جماعت بڑھانا اور اپنی طاقت مضبوط کرنا چاہتے تھے اور انہیں بھی اپنی طرح ضمیر فروش بنانا چاہتے تھے، جس کا ادراک شیخ کو بروقت ہو گیا اور انہوں نے سفر حج کا ارادہ کر لیا کہ نہ وہ ہندوستان میں رہیں گے، نہ ہی انہیں بار ہا اسباب دنیا اور زر و مال کی طرف راغب کیا جائے گا۔

دراصل اہل زمانہ جو چاہتے تھے، اللہ رب العزت اس کے

برعکس چاہتا تھا۔اس کا مقصد تو یہ تھا کہ شیخ اس کے پسندیدہ شہر میں سکونت پذیر رہ کر آئندہ کی تیاریوں میں مصروف رہیں اور جن جن امور دینی پر اعتراضات کیے جا رہے ہیں،ان کی تصدیق وتوثیق کا ذریعہ بنیں اوران سے ایک پورا علمی سلسلہ شروع ہوجائے اوراس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحادیث عوام تک پہنچیں،جنہیں اکبرایک مخصوص ومحدود طبقہ کے لیے متروک قرار دے رہا ہے اور جس صدی کو وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا خاتمہ قرار دے رہا ہے،اس صدی میں شیخ ہندوستان میں سب سے زیادہ احادیث و سنن اور آثار کی اشاعت کا ذریعہ بنیں۔مشیت ایزدی پر ذرا غور کریں کہ کہاں اکبر نظریۂ الفی پیش کر رہا تھا اور محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور واقعۂ معراج کا استہزا کر رہا تھا اوراس کے بعد شیخ کے بارے میں مؤرخ وتذکرہ نگار شیخ عبدالحئی بن فخر الدین حسنی رائے بریلوی یہ لکھتے ہیں کہ **اول من نشر علم الحدیث بارض الھند تصنیفا و تالیفا (نزھۃالخواطر ص۵۵۴)**

گویا شیخ کی زندگی کا یہ مقصد پہلے ہی درج کیا جا چکا تھا کہ یہ دور اکبری کی ہنگامہ خیزیوں میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی نشر واشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ بنیں گے۔

تین سال تک علم ظاہری و باطنی سے آراستہ کرنے کے بعد آپ کے استاذ وشیخ حضرت عبدالوہاب متقی نے وطن واپسی کا حکم دیا،شیخ کے حکم پر آپ نے آج کے طلبہ کی طرح بوریا بستر باندھ کر گھر کو نہیں بھاگے،بار بار حجاز مقدس میں قیام کی اجازت چاہی۔ طرح طرح کی دلیلیں دیں تاکہ انہیں ہندوستان واپس نہ آنا پڑے، جب شیخ نے کسی طرح مزید قیام کی اجازت نہیں دی تو انہوں نے بغداد میں حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کی بارگاہ میں حاضری کی خواہش ظاہر کر دی۔اس پر بھی شیخ نہیں مانے اور بار بار حقوق العباد کی یاد دلاتے رہے،جب انہوں نے ہندوستان واپسی پر غور کرنا شروع کیا تو خود فرماتے ہیں۔

’’چوں ایں فقیر بہ منزل خود می آمد وتنہا می بود،بخود قرار می داد کہ بہ ہندوستان نرود و مطلق ایں عزیمت فسخ نمود‘‘

جب فقیر اپنی قیام گاہ آتا تھا اور تنہا ہوتا تھا تو دل میں طے کر لیتا تھا کہ ہندوستان نہیں جاؤں گا اور واپسی کا ارادہ بالکل فسخ کر دیتا تھا۔

ان سطروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ہندوستانی ماحول اور یہاں کی بادشاہت اور علما سے کس قدر متنفر تھے اور نفرت بعید از قیاس بھی نہیں ہے۔چوں کہ دین کو جانے بغیر دین کا استہزا کرنا اور فرمان خداوندی کی تعمیل نہ کرنا الگ ہے اور جان کر بے جا مولویانہ تاویلیں کرنا اور بات ہے۔قرآن واحادیث کو سامنے رکھ کر اور دلیل کے طور پر پیش کر کے اپنے ناجائز وحرام اعمال کو جائز اور حلال قرار دینا دوسری بات ہے۔

بالآخر حضرت شیخ محدث دہلوی کو اپنے استاذ وشیخ کے اصرار پر ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آنا پڑا،انہوں نے ہندوستان واپسی کے سال کی خود ایک خط میں تعیین کی ہے۔یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اسی ۱۰۰۰ھ کے بعد اکبر کے نظریۂ الفی کو عملی جامہ پہننا تھا اور رحمۃ العالمین محسن انسانیت حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ختم ہونا تھا۔ اس کے بعد اکبر اور اس کے یاران نکتہ داں اپنی طاقت وتوانائی جھونکنے والے تھے اور خود شیخ جہاں سے بھاگ کر حجاز پہنچے تھے عین موقع پر دفاعی قوتوں اور قال اللہ وقال الرسول کی فضائے خوشگوار سے شادکام وبامراد کر کے انہیں اسی دل دل میں واپس بھیجا رہا تھا تا کہ یہ دوبارہ گلشن خدا اور سول بن جائے۔یہ خدائی فیصلہ نہیں تو اور کیا تھا۔

سفر حج سے حضرت شیخ کی واپسی کے بعد اکبر (موت: ۱۰۱۴ھ) چودہ برس تک زندہ رہا۔ان چودہ برسوں میں حضرت شیخ نے نہ کبھی دربار کا رخ کیا اور نہ ہی اس کے دیگر گمراہ ساتھیوں سے رسم وراہ رکھی۔حضرت شیخ محدث نے گوشہ نشینی کو درباداری کی ہنگامہ آرائیوں پر فوقیت دی،لیکن گوشہ نشینی ایسی نہیں تھی کہ انہوں نے خود کو معطل کر لیا ہو۔وہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے تھے، مدرسہ میں درس وتدریس کا کارنامہ بھی انجام دے رہے تھے اور شیخ مرتضٰی فرید خان،عبدالرحیم خان خاناں کو حکومت وسلطنت کی اصلاح

کے لیے بھی ابھار رہے تھے البتہ فیضی سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ حالانکہ وہ حضرت شیخ سے اشتیاق ملاقات رکھتا تھا۔ ایک خط میں حضرت شیخ کولکھتا ہے کہ

''مجھے بال و پر ہوتے تو پرواز کر کے اس حجرہ کی چھت پر آ بیٹھتا اور نکات محبت کی ریزی چینی کرتا اور والہانہ گیت گاتا۔ اب اور کیا لکھوں، آپ کی طرف سے ہی ساری تاخیر اور رکاوٹ ہے۔ خدارا مجھ پر اپنے اسرار کے قافلہ کی راہ تو بند نہ کیجیے۔ واضح رہے کہ اگر یہ راستہ اس طرف سے بند ہوگا بھی تو ادھر سے بند نہیں کیا جائے کھلا ہی رہے گا۔'' (منتخب التواریخ از بدایونی، ص ۶۲۶)

یہ حضرت شیخ سے فیضی کا شوق ملاقات ہے مگر اس میں اپنے کیے پر ندامت کہیں نہیں ہے۔ وہ حضرت شیخ محدث کی بے اعتنائی کا تذکرہ تو کر رہا ہے لیکن وہ یہ بھول رہا کہ یہ قطع تعلق دنیاوی مفاد پرستی کے لیے نہیں تھا بلکہ بغضاً للہ کا معاملہ تھا، جہاں راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ وہ آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتا پھر بھی شیخ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ اس کے پورے حالات کا غائرانہ مطالعہ کرنے کے بعد حضرت شیخ محدث نے اس پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں۔

''فیضی اگر چہ کہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رضانت سخن ممتاز روزگار بود ولیکن حیف کہ بہ جہت وقوع و ہبوط در ہاویہ کفر وضلالت رقم انگار دوا در بار بر ناصیہ احوال خود کشیدہ۔'' (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ از خلیق احمد نظامی، ص: ۲۴۳)

شیخ کا انصاف بھی یہاں قابل ملاحظہ ہے۔ آج اگر کسی شخص سے کوئی اختلاف کسی سے ہو جاتا ہے تو اس کی تمام خدمات و کمالات ایک طرف کر دیے جاتے ہیں، مگر شیخ تمام تر نا قابل برداشت اسلام مخالف رویوں کے باوجود فیضی کی سخن وری کی تعریف کر رہے ہیں اور اس کی ضلالت و گمراہی پر کف افسوس بھی مل رہے ہیں۔

اکبر نے اپنے عہد حکومت میں ایک متوازی دین ''دین الٰہی'' کا قیام کیا تھا، اسی عہد میں حضرت شیخ نے ہندوستان کا سب سے بڑا دارالعلوم قائم کیا، جہاں سے سیکڑوں طالبان علوم و طریقت سیراب ہو رہے تھے۔ ٹکراؤ سے ہٹ کر حضرت شیخ اپنی دینی ذمہ داری بڑی تنظیم اور ذہانت سے سرانجام دے رہے تھے۔ اس زمانہ میں یہ آتش نمرود میں کودنا تھا۔ ہندوستانی سلاسل تصوف کے معتبر مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی حضرت شیخ محدث کے مدرسہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا، جہاں سے شریعت وسنت کی آواز بلند ہوئی۔'' (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۵)

دوسری جگہ اساتذہ وطلبہ کی تعداد اور مدرسہ کی امتیازی شان کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''درس وتدریس کا یہ ہنگامہ شیخ محدثؒ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک برپا رکھا۔ ان کا مدرسہ دہلی ہی میں نہیں، سارے شمالی ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ سیکڑوں کی تعداد میں طلبہ استفادہ کے لیے جمع ہوتے تھے اور متعدد اساتذہ درس وتدریس کا کام انجام دیتے تھے۔'' (ایضاً ۱۲۶)

حضرت شیخ نے اپنی توجہ کسی ایک نکتہ پر مرکوز نہیں کی تھی۔ انہوں نے اپنے حواس کھلے رکھے تھے اور دین الٰہی کے فتنوں کے سد باب کے لیے مختلف حربے اور طریقے اختیار کر رہے تھے۔ اگر انہوں نے مدرسہ قائم کر کے قرآن واحادیث اور دین کی تکمیل کی توثیق وتصدیق کرنے والے بیدار مغز علما پیدا کیے، تو انہوں نے خواص کے لیے درجنوں اہم تصانیف بھی چھوڑیں، جن کے مطالعہ کے دوران دین اکبری کے خلاف نادر ونایاب بحثیں ملتی ہیں۔ حضرت شیخ اور اس دور کے دیگر اکابر کی جانکاہ کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ اکبر کی موت کے ساتھ ہی دین الٰہی بھی ھباءً منثوراً ہو گیا۔

انہوں نے اپنی اہم تصنیف مدارج النبوۃ میں کئی جگہوں پر پورے شد ومد کے ساتھ اکبری گمراہیوں اور اس کے ذریعہ پھیلائی جانے والی بدعت وارتداد کی تردید کی ہے۔ مدارج النبوۃ کی تصنیف کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس کے ذریعہ نظریۂ الفی اور دین الٰہی کی مخالفت ہو۔ لکھتے ہیں۔

از خصائص کاملہ، ایں خیر الامم آنست کہ شریعت اکمل است

از جمیع شرائع متقدمہ وایں عیاں است کہ محتاج نیست بہ بیان وواضح است کہ خفا نیست دراں وچوں آں حضرت مبعوث است برائے تمتیم کارم اخلاق ومحامد افعال لاجرم دین وشریعت اواتم واکمل ادیان شرائع باشد۔ (مدارج النبوۃ ج اص ۱۷۱)

یہاں شیخ نے قرآن پاک کی آیت ''**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتي ورضیت لکم الاسلام دینا** '' کی بہترین تفسیر کرنے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کا تذکرہ بھی کررہے ہیں اور یہ بھی بتارہے ہیں کہ دین اسلام دربار اکبری میں موجود علمائے سو کی تشریحات و توضیحات اور تاویلات کا محتاج نہیں ہے۔

بات یہیں ختم نہیں کرتے، چوں کہ دین الٰہی کا ایک فتنہ یہ بھی تھا کہ ایمان کی تکمیل صرف توحید پر اعتقاد سے ہی ہوجاتی ہے۔ انہوں نے اسی سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا واجب ہے اور جس کے بغیر اسلام کا حصول ممکن ہی نہیں ہے۔

اشعۃ اللمعات میں ایمان کی بحث کرتے ہوئے اکبر کی بتوں کے سامنے سجدہ ریزی اور زنار وغیرہ کے استعمال کو بھی بیان کیا ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کو پورے اعتماد کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ پر کافر قرار کردیا ہے۔ واضح رہے کہ اس فتویٰ کی حیثیت آج بھی برقرار ہے۔ ''یہاں تو تصدیق واقرار کے باوجود بعض ایسی چیزیں بھی لوگ کرتے ہیں جسے شریعت کفر گردانتی ہے، مثلاً سجدۂ صنم اور زنار پہننا اور اسی طرح کی دیگر چیزیں، ان امور کے مرتکب حکم شریعت کی رو سے کافر ہیں۔ اگرچہ وہ تصدیق واقرار کرتے ہوں۔

(اشعۃ اللمعات، جلد اول ص ۴۰)

حضرت شیخ زندگی کے آخری لمحات تک خدمت دین اور دین الٰہی کے خاتمہ کے درپے رہے۔ انہوں نے سلطان جہانگیر کے لیے رسالہ نورانیہ سلطانیہ بھی لکھا۔ اور شاہ جہاں کے لیے انہوں نے ایسی چالیس احادیث اکٹھا کیں، جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو ہدایات کی ہیں۔ اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہ جہاں کے لیے کتابیں تصنیف کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کے دلوں میں بھی شوق اکبری نہ چرائے۔ اور یہ راہ راست پر گامزن رہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ کا ایک خط بھی ہے۔ جس میں حضرت شیخ نے اکبر کی ایک ایک گمراہیوں کا تذکرہ اپنے مخصوص انداز واسلوب اور مثالوں کے ذریعہ کیا ہے۔ اور جہانگیر کو متنبہ کیا ہے کہ وہ انہی گمراہیوں کا اعادہ نہ کرے، جس کی وجہ سے ملت پریشان حالی کا شکار ماضی قریب میں ہوچکی ہے۔ اس میں شیخ نے بشارتیں بھی دی ہیں اور وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ اس خط کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ابتدا شیخ نے کلمہ طیبہ **لا الـه الا الـله محمد رسول الله** سے کی ہے۔ تا کہ جہانگیر تک یہ بھی پیغام پہنچ جائے کہ اکبر کے کلمہ کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں ہے اور اصل کلمہ یہ ہے۔ ایک جگہ باپ کی موت کے فوراً بعد یہ لکھتے ہیں:

''مخبران صادق کہ حضرات انبیا اند صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین خبر آن عالم می رسانند و انوار علم وہدایت می نمایند اما مردم چناں در ظلمات نفس وطبیعت افتادہ اند کہ قطعاً گوش نمی نہند وقدم نمی رنند حقیقت حال بعد از مردن منکشف گردد کہ چیست''۔

اس اقتباس کا آخری جملہ انتہائی باریک بینی اور مختلف ناحیوں سے دیکھے جانے کا مستحق ہے کہ حقیقت حال بعد از مردن منکشف گردد، ایسا بیان وہ بھی بادشاہ باپ کی موت کے بعد بادشاہِ وقت بیٹے کے لیے بھیجنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ کام کوئی مرد قلندر ہی کرسکتا ہے، یہ جملہ **قل الحق و ان کان مرا اور کلمة حق عند سلطان جابر** کی سچی تصویر ہے اور اس کے نتیجے میں جو مژدہ سنایا گیا ہے اس کا حقیقی مستحق بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جلال پادشاہی کے زمانہ میں جمال درویشی نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ☆

نورین علی حق ریسرچ اسکالر دہلی یونیورسٹی (شعبۂ اردو)
alihaqnrn@yahoo.com
Mobile: 9210284453

تعلیمی مسائل

قسط سوم

نصاب تعلیم کی تجدید کاری کے اسباب وعلل

REASONS OF SYLLABUS MODERNIZATION PROGRAMME

تحریر: طارق انور مصباحی (کیرلا)

دعوت فکر

عہد حاضر میں مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں تبدیلی ایک لازمی امر ہے۔علماء دین کا مساجد و مدارس تک محدود رہنا دین ومسلک کی تبلیغ و اشاعت میں اہم مانع ہے۔عہد ماقبل میں محدثین صرف حدیث کی ،فقہاء صرف فقہ کی تعلیم دیا کرتے۔ پھر جب تعلیم گاہوں کا وجود ہوا تو فقہ، حدیث،نحو وصرف وغیرہا علوم کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونے لگی-اور طلباء ہر علم کا معتد بہ حصہ محفوظ کرنے میں کامیا ب ہوئے ۔عہد حاضر میں مختلف مدارس میں تجربات ہو چکے ہیں کہ عصری مضامین کا بھی معتد بہ حصہ محفوظ کر لیتے ہیں۔اب تجربات کیلئے وقت ضائع کرنا نامناسب۔عملی اقدام کی کوشش کی جائے۔

(۲) بعض دانشوروں کا نظریہ

بعض دانشور کہا کرتے ہیں کہ دینی وعصری تعلیم یکجا ہو تو طلباء نہ دینیات میں کامیاب ہوں گے ،نہ عصریات میں ۔درحقیقت یہ خیال مشاہداتی منازل سے نہ گذرنے کے سبب قائم ہوتا ہے۔کیرلا ،مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں میں اس قسم کی تعلیم گاہیں موجود ہیں-اور طلباء ہر دو نوع کی تعلیم سے بہرہ مند ہو رہے ہیں ۔ وہاں کے فارغین کی استعداد و قابلیت خالص دینی مدارس کے فارغین سے کم نہیں ہوتی۔

(۳) قابلیت کا مدار و مبنیٰ

قابلیت (**Ability**) وصلاحیت کا مدار تین چیزیں ہے۔

(ا) ذہانت وفطانت (ب) عمدہ تعلیم وتربیت (ج) محنت ومشقت۔

(ا) اگر ایک کند ذہن طالب علم کو خوب اچھی تعلیم دی جائے تو بھی وہ اپنے ظرف کے مطابق ہی حاصل کر سکے گا۔ہاں،محنت ومشقت کے سبب کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور حاصل کر لے گا-اور مشکل فنون مثلاً فلسفہ،منطق ،فتویٰ نویسی وغیرہا فنون ضرور مشکل ہوں گے۔اسی طرح دیگر علوم وفنون کے مباحث عالیہ بھی اعلیٰ درجہ کی ذہانت وفطانت کے متقاضی ہوتے ہیں۔

(۲) اسی طرح ایک ذہین طالب علم کی صالح تعلیم وتربیت نہ ہو سکے تو وہ بھی ناقص رہ جائے گا۔اس لئے تعلیم گاہوں میں نصاب تعلیم ونظام تعلیم عمدہ ہونا چاہئے۔

(۳) ایک ذہین طالب علم چھ ماہ میں قرآن حفظ کر لیتا ہے-اور کم ذہن طلباء کے چھ سال صرف ہوتے ہیں۔لیکن دونوں قسم کے حفاظ تیسوں پارہ حفظ کر لیتے ہیں-اور تراویح بھی پڑھاتے ہیں۔اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر ذہنی کمزوری ہو تو محنت ومشقت کے سبب کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ہاں، یہ حقیقت ہے کہ ایک ذہین طالبعلم قلت مشقت کے باوجود بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے- اور دوسروں کو ذہنی کمزوری کا تدارک کثرت مشقت سے کرنا ہوگا۔ایک کمزور ذہن طالبعلم کسی ذہین طالبعلم کی آزادروش پر جانے کی کوشش نہ کرے۔واضح رہے کہ جس طرح دولت وثروت نعمت خداوندی ہے،اسی طرح ذہانت وفطانت بھی رب تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔پس دولت کی مثل ذہانت کا بھی صحیح استعمال ہو۔

اب اگر علوم اسلامیہ وعلوم عصریہ کی ساتھ ساتھ عمدہ تعلیم دی جائے-اور طالب علم ذہین بھی ہو تو بہت کچھ حاصل کر لے گا-اور اگر طالب علم کند ذہن اور غبی ہو-اور اس کو محض علوم اسلامیہ بہت عمدگی کے ساتھ پڑھائے جائیں تو بھی وہ ذہین طلباء کے

مدمقابل نہ ہو سکے گا۔ کیا خالص عظیم اسلامی تعلیم گاہوں کے تمام فارغین قابل اور ذی استعداد ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہر ایک اپنے ظرف کے مطابق پاتا ہے۔ عدم مشاہدہ کے سبب بسا اوقات تجربہ کار دانشوروں کو بھی غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خود ساختہ دانشور بھی اکثر ٹھوکر کھاتے رہتے ہیں- اور قوم و ملت کیلئے کوئی مفید منصوبہ بندی نہیں کر پاتے - اور نہ ہی موافق حال رہنمائی کر پاتے ہیں- اور تختِ قیادت سے نیچے بھی نہیں اترتے۔

(۴) صرف اپنے شہزادوں کی فکر

عہد حاضر کے مفکرین کو اپنے فرزندان گرامی کے مستقبل کی فکر ضرور ہے۔ اسی لئے وہ اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکول میں تعلیم دلاتے ہیں- اور حافظ قرآن اور عالم دین کے فضائل سنا کر قوم کے بچوں کو مدارس اسلامیہ میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حافظ و عالم کی فضیلت سے اپنے شہزادوں کو کیوں سرفراز کرنا نہیں چاہتے؟

یہ مفکرین و مدبرین حفاظ و علما کے تاریک ترین مستقبل سے باخبر ہیں۔ اس لیے اپنے بچوں کے لیے علیٰحدہ نظریہ رکھتے ہیں- اور چونکہ قومی بچوں کی کچھ فکر ہی نہیں۔ اس لیے آنکھیں بند کر کے مسلمانوں کے بچوں کو مدارس میں داخل کرنے کی ترغیب دیتے پھرتے ہیں۔ بعض علما اصلاح کے خواہشمند ہیں تو ان کی رائے قبول نہیں کی جاتی۔

مدارس اسلامیہ دونوں آنکھیں بند کر کے قدیم روش پر جاری ہیں- اور طلبا کے مستقبل سے بالکل بے پرواہ ہیں۔ جیسا کہ ان کے تمام طلبا صابرین و زاہدین میں سے ہیں۔ حالانکہ مدارس کے طلبا خود بھی اس بات کے خواہش مند ہیں کہ ان کا مستقبل عمدہ ترین ہو۔

(۵) مذہب کی تباہی

عصر حاضر میں اسلامی جماعت اور اسی طرح تبلیغی جماعت کے بعض ایسے ادارے ہیں جہاں طلبا کو دینی و عصری تعلیم ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ ان تعلیم گاہوں میں سنی بچے بھی تعلیم کے نام پر چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر طلبا ضعف اعتقاد کے شکار ہو جاتے ہیں۔ غفلت شعاری، فروغ سنیت کے لئے مضر ثابت ہو گی۔ ارباب مدارس جاگنے کی تیاری کریں۔ اس مرض متعدی کے دفاع کی کوشش نہ ہوئی تو بد مذہبیت قوت حاصل کر لے گی۔ ہماری ہی آل و اولاد مسلک اہل سنت و جماعت کی مخالفت کرے گی - اور ہم اپنی کج فکری کے سبب متاع کارواں کی تباہی کے مجرم ہوں گے۔

(۶) تعلیمات اسلامیہ کی بے انتظامی

ہندوستان میں جب تک اسلامی سلطنت باقی رہی، تب تک شاہان اسلام اور حکام و نوابین علماء کرام کیلئے وظائف جاری کرتے رہے۔ مدارس اسلامیہ کے لیے زمین و جائیداد وقف کرتے رہے۔ جب انگریزوں کے تسلط کے بعد سلطنت مغلیہ سقوط پذیر ہو گئی تو علمائے اسلام فی سبیل اللہ دینی تعلیم دینے لگے۔ تاکہ مسلم بچے ناخواندہ اور جاہل نہ رہ جائیں۔ پھر اسی مدت میں انگریزوں نے جدید طریقہ تعلیم رائج کر دیا۔ جس میں مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا۔ تب علمائے دین نے عوامی تعاون سے اسلامی مدارس کو قائم فرمایا- اور مسلمانان ہند کو انگریزوں نے معاشی طور پر حد درجہ کمزور کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی جاگیریں مختلف حیلوں سے چھین لی گئیں۔ حکومتی عہدوں سے مسلمانوں کو دور رکھا گیا۔ انگریزوں نے سوچا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تھی، کہیں قوم مسلم حکومت حاصل کرنے کیلئے اٹھ کھڑی نہ ہو۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر طرح سے کچلنے کی کوشش کی گئی۔ اس کس مپرسی کے عالم میں خود علماء کرام نے ''علم دین'' کی حفاظت کیلئے مدارس قائم فرمایا - اور سخت بے سروسامانی کے عالم میں بھی اساتذۂ کرام کیلئے کچھ بدل خدمت مقرر کر دیا تاکہ ان کی اور ان کے اہل خانہ کی کفالت ہو سکے۔ لیکن عہد حاضر میں مسلمانان ہند معاشی اعتبار سے بہت حد تک مطمئن ہیں تو اب اس ''فراوانی'' کے زمانہ میں بھی علماء کرام کے ساتھ وہی سلوک

کیا جائے جو ''بے سرو سامانی'' کے عالم میں ہوتا تھا تو یہ سخت ناانصافی ہوگی۔اس رسم ورواج کو بدلنا لازم ہے۔

(۷)اہل ثروت کیوں مدارس سے غائب ہوئے؟

ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے کہ ارباب ثروت بھی اپنے بچوں کو داخل کر سکیں۔ورنہ مدارس سے غرباء بھی غائب ہو جائیں گے۔طلباء مستقبل سے ناامیدی کے سبب محنت بھی نہیں کرتے۔بعض ائمہ مساجد اور مدرسین وواعظین مالی مجبوری یا حرص وطمع میں بسا اوقات دین فروشی کرتے بھی نظر آتے ہیں۔چونکہ مدارس کے فارغین کا مستقبل بہت محدود ہوتا ہے۔اس لئے اہل ثروت اپنے بچوں کو مدارس اسلامیہ داخل ہی نہیں کرتے۔پھر یہ کہ بہت سے مدارس میں انتظامی امور بھی حد درجہ پست ہوتے ہیں۔نہ رہائش کا معقول انتظام،نہ خورد ونوش کا صحیح نظم۔اب تو اکثر مسلمان ''درس نظامی'' کو غریبوں کا علم سمجھتے ہیں۔حالانکہ یہ دین وشریعت کا علم ہے۔اور ہر ایک کو بقدر ضرورت'' علم شریعت'' حاصل کرنا واجب ہے۔مدارس اسلامیہ کے موجودہ ماحول نے ارباب ثروت کو دینی تعلیم گاہوں سے دور کر رکھا ہے۔

(۸)اقسام تقدیر

تقدیر کی تین قسمیں ہیں(۱)قضاء مبرم(۲)قضاء شبہ مبرم(۳)قضاء معلق۔ایسا نہیں کہ صرف تقدیر مبرم ہے۔بلکہ تقدیر معلق کا بھی وجود ہے۔قضاء معلق کا مفہوم عوام الناس میں کہاوت کی شکل میں مشہور ہے۔''جیسی کرنی،ویسی بھرنی''۔''جیسا بوؤ گے ، ویسا کاٹو گے''۔طلباء کو ایسی راہ دکھلائیں کہ وہ اچھا کر سکیں اور اچھا پھل پا سکیں۔

(۹)عہد روحانیت وعہد مادیت

عہد حاضر مجموعی طور پر روحانیت (Spiritualism) کا زمانہ نہیں۔بلکہ مادیت (Materialism) کا زمانہ ہے۔صبر وزہد کی تلقین بے اثر۔خود ناصح اپنے احوال پر غور کرلے۔صابر ہے یا مجبور؟ کیا ناصح کو دولت دی جائے تو وہ منہ پھیر کر چلا جائے گا؟ یا دینار ودرم دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے گا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ چند بندگان الٰہی کے علاوہ ہر کوئی دولت وثروت کے حصول میں سرگرداں ہے۔بعض پالیتا ہے،بعض محروم رہتا ہے۔اگر محرومی کا دوسرا نام صبر ہے تو یہ ''صبر'' عنداللہ قابل اجر نہیں۔

(۱۰)فقر وتنگ دستی دنیاوی عذاب

فقر اضطراری از قسم عذاب ہے۔وہ صورتیں اختیار کرنا جن سے طلباء فقر اضطراری یعنی عذاب دنیا میں مبتلا ہوں،ارباب عقل وہوش کا کام نہیں۔اس عذاب سے نجات کی راہیں دریافت کی جائیں۔

(۱)عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ-کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا-الحدیث (شعب الایمان للبیہقی ج۹ص ۱۲-مشکوۃ المصابیح ص۴۲۹)

(ت) حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا-قریب ہے کہ فقر وتنگ دستی کفر بن جائے۔

توضیح: یعنی فقر وفاقہ کی وجہ سے لوگ تنگ دستی میں مبتلا ہوسکتے ہیں جیسے سال ۲۰۱۵ء میں آگرہ ودیگر مقامات پر بعض مسلمان ''ہندو مذہب'' اختیار کر بیٹھے-اور اس کا اصلی سبب ان کا فقر وفاقہ تھا۔ہندو تنظیموں نے اس کو ''گھر واپسی'' کا نام دیا۔

(۲)علامہ تفتازانی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے تحریر فرمایا۔

''وَمَا ھُوَ الْاَصْلَحُ لِلْعَبْدِ فَلَیْسَ ذٰلِکَ بِوَاجِبٍ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی. وَاِلَّا لَمَا خَلَقَ الْکَافِرَ الْفَقِیْرَ الْمُعَذَّبَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' (شرح العقائد النسفیہ ص۱۰۹-مجلس البرکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

مذکورہ بالا عبارت میں فقیر کافر کو ''معذب فی الدنیا والاٰخرۃ'' بتایا گیا۔اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ فقر وفاقہ اور تنگ دستی دنیاوی عذاب ہے۔

(۱۱)علوم دینیہ کا مقصد کیا ہے؟

علوم دینیہ کا مقصد احکام شرعیہ سے واقف ہونا ہے،نہ کہ اس

کو ذریعہ معاش بنانا ہے۔علوم اسلامیہ کی تحصیل، حکم شرع "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ" (سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء) کی تکمیل کیلئے ہے، نہ کہ برائے تحصیل معیشت۔ایسا نظام رائج ہو چکا ہے کہ ہر فارغ التحصیل کا مقدر یہی قرار پا کہ وہ تعلیمات دینیہ کو ذریعہ معاش بنائے۔مقولہ "ملا کی دوڑ مسجد تک" ایک حقیقت واقعیہ کی شکل میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور علماء کرام خاموش پڑے ہیں۔

(۱۲) جامعۃ الہند الاسلامیہ

سمستھا کیرلا یعنی سنی جمیعۃ العلما کیرلا نے زمانہ کے حالات پیش نظر ایک ایسا نصاب تعلیم تیار کیا ہے جس میں دینیات کے ساتھ عصری مضامین بھی شامل نصاب ہیں تاکہ مسلمان بچے دینی ودنیاوی ہر طرح کی تعلیم سے آراستہ ہوں۔دسویں کلاس کے بعد اس ادارہ میں داخلہ ہوتا ہے۔طلباء دینیات کے ساتھ عصری تعلیمات کی ڈگریاں بھی حاصل کرتے جاتے ہیں۔تکمیل تعلیم کے بعد طلبہ کو عالمیت کی سند دی جاتی ہے اور عصری علوم میں وہ گریجویشن بھی مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔مدت تعلیم پانچ سال ہے۔اس نصاب تعلیم کا رواج سال ۲۰۰۹ء سے ہوا۔تادم تحریر ساٹھ کالج اس نصاب تعلیم کے مطابق تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔کیرلا میں اس طرح کے کالجز "دعوہ کالج" کے نام سے متعارف ہیں۔چونکہ ان کالجوں میں ذریعہ تعلیم "ملیالم زبان" ہے۔اس لئے اردو بولنے والے طلباء کیلئے گنجائش نہیں۔

چند سالوں قبل شمالی ہند (North India) یعنی بہار، یوپی کے مدارس اسلامیہ میں بھی تبدیلی نصاب کی کوشش ہوئی۔لیکن چند مفکرین نے اس کو قبول نہ کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ دونوں تعلیم ساتھ ساتھ ہونا بہت مشکل ہے۔لیکن اب حالات برق رفتاری سے بدلتے جا رہے ہیں۔ہماری غفلت شعاری حد درجہ مضر ثابت ہوگی۔حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ہند کے علمائے کرام اور دانشوران عظام کی نظروں کے سامنے مشترکہ تعلیم گاہیں نہیں ہیں۔اس لیے وہ اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ دونوں تعلیم کا یکجا ہونا بہت مشکل امر ہے حالانکہ ریاست کیرلا اور دیگر مقامات میں یہ کام عملی طور پر کئی سالوں پہلے شروع ہو چکا ہے۔

اہل قلم توجہ دیں!

جن حضرات نے اپنی نگارشات وتأثرات ہمیں عنایت کیے ہیں ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور سبھی قلم کاروں سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ اپنے گراں قدر مضامین صاف لکھ کر ارسال فرمائیں۔کمپوز شدہ تحریر ان پیج کی فائل میں بھیجیں تو اس سے آپ کی تحریر میں غلطیوں کے امکانات کم ہوں گے۔اپنے مضامین مختصر اور چھوٹے لکھیں، جو دو تین یا چار صفحات تک محدود ہوں، زبان عام فہم استعمال کریں اور اپنی تحریر میں حوالے کا التزام کریں۔حوالہ اس طرح دیں:

آیتیں: سورہ کا نام اور آیت نمبر۔

حدیث: کتاب/باب/صفحہ/حدیث نمبر/راوی کا نام۔

دیگر مواد: کتاب/مصنف/باب/صفحہ/مطبوعہ

اپنی نگارشات کے اخیر میں اپنا نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔

اس رسالے کے لیے شخصیات پر مضمون لکھنے اور بھیجنے سے پہلے ادارے سے رابطہ کرلیا کریں۔کیوں کہ ہر شمارے میں شخصیت پر ایک ہی مضمون شائع ہوگا۔

اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت میں ایسا مضمون شائع نہ ہوگا جو کسی رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔لہٰذا اپنا غیر مطبوعہ مضمون ہی ارسال کریں۔مہینے کی پانچویں تاریخ تک مضامین، اور دس تاریخ تک رپورٹس اور تاثرات ادارے کو موصول ہو جائیں تو ہمیں شائع کرنے میں آسانی ہوگی۔

تفصیلات کے لیے راقم الحروف کو فون کریں۔یا ای میل سے رابطہ کریں: (آفتاب مصباحی مدیر ماہنامہ پیغام شریعت)

Mobile: 09654336678

paigamesharit@gmail.com

(دوسری قسط)

حیاتِ صدرالشریعہ

از بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ

اعلیٰ حضرت کا وعظ:

اعلیٰ حضرت قبلہ وعظ فرمانے سے گریز کیا کرتے تھے۔ سال میں دو وعظ اپنی خوشی سے بغیر کسی کے کہے فرماتے تھے ایک اپنے پیرومرشد سیدنا آل رسول صاحب رضی اللہ عنہ کے عرس میں اور دوسرے بارہویں ربیع الاول شریف کو۔ان دو تقریروں کے علاوہ اگر کبھی کوئی تقریر کی ہے تو بہت زیادہ لوگوں کے اصرار اور مجبور کرنے پر، یہاں تک کہ مدرسہ منظراسلام کے جلسے جو اعلیٰ حضرت قبلہ کے زمانہ میں مسجد بی بی جی میں نہایت شاندار اور کامیاب ہوا کرتے تھے، ان جلسوں میں بھی جب کبھی تقریر فرمائی ہے بہت سے لوگوں، علما و اکابر کے اصرار کرنے پر۔ اعلیٰ حضرت کی تقریر نہایت پرمغز بہت زیادہ موثر اور تقریر میں علمی نکات بکثرت ہوا کرتے تھے۔کبھی کوئی تقریر ایسی نہیں ہوئی جس میں سامعین پر عموماً گریہ نہ طاری ہوا ہو اور ہر طرف سے آہ و بکا کی آوازیں نہ آئی ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔ خصوصاً رام پور، مرادآباد، شاہ جہاں پور، پیلی بھیت وغیرہ۔

وعظ و تقریر کی جانشینی:

ایک مرتبہ ربیع الاول کے جلسے میں اثنائے تقریر کچھ مزاج ناساز ہو گیا۔ دردسر کی شدت اتنی ہوئی کہ تقریر جاری نہ رکھ سکے، تقریر روکنے کے بعد تخت پر مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ تقریر کریں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا چیز بیان کروں؟ ارشاد فرمایا کہ جو مضمون میں بیان کر رہا تھا اس کی تکمیل کرو۔ بھلا کہاں اعلیٰ حضرت کا بیان، اور کہاں مجھ بے بضاعت کا بیان۔ مگر ان کا حکم تھا تعمیل کرنی پڑی، یہ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ اعلیٰ حضرت کے بیان کی تکمیل تھی مگر جو کچھ ہو سکا اخیر وقت تک اس سلسلہ میں بیان کر کے مجلس کو ختم کیا۔ ربیع الاول شریف کی مجلس کا نہایت درجہ اہتمام ہوتا تھا۔ نیا لباس خاص طور پر اسی موقع کے لیے بنایا جاتا، غسل فرماتے، کپڑے پہنتے خوشبو وغیرہ استعمال کرتے اور یہ فرماتے کہ یہ ہمارے لیے عید اکبر ہے، میرے رشتہ داروں میں جو اس روز میرا شریک ہے اس کو اپنا شریک جانوں گا ورنہ نہیں۔ یہی میرے یہاں کی شادی ہے۔ اور اسی کی شرکت سے سب سے زیادہ محظوظ ہوتا ہوں۔

ایک مرتبہ مزاج ناساز تھا بہت کوشش فرمائی کہ مجلس میں چلوں وقت ہو چکا تھا مگر علالت نے مہلت نہ دی، مولوی محمد رضا خان صاحب عرف ننھے میاں حاضر ہوئے اور تشریف لے چلنے کے لیے کہا۔ ارشاد فرمایا کہ اس وقت حرارت ہے طبیعت ناساز ہے ابھی نہیں جا سکتا، جاؤ امجد علی سے کہہ دو کہ وہ بیان کر دے' اور اس کے سوا ہے کون، جو ہے وہی ہے'۔ اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق بیان کرنا شروع کیا۔ کچھ دیر کے بعد جب مزاج میں سکون پیدا ہوا تو تشریف لائے اور حکم دیا کہ تقریر جاری رکھو، تقریر کو ایک حد تک پہنچایا، اس کے بعد عرض کیا کہ سامعین حاضرین چند الفاظ حضور کی زبان پاک سے سننا چاہتے ہیں، ان کے دل جوش عقیدت سے لبریز ہیں۔ آخر میں مختصر سا کچھ مضمون پھر بیان ولادت پر اس سلسلہ کو ختم کیا۔ تقریر کا سنانا تو روز ہی ہوتا رہتا ہے۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں، مگر اعلیٰ حضرت کے وہ الفاظ جو انھوں نے ننھے میاں سے فرمائے تھے وہ ایسے پر ذوق ہیں جس کا ذوق خود ننھے میاں بیان کرتے تھے اور کبھی کبھی اس کا تذکرہ کر کے لطف اٹھایا کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت کی عادت تھی کہ دو تین آدمیوں کے علاوہ کسی کی تقریر نہیں سنتے۔ ان دو تین آدمیوں میں ایک میں بھی تھا۔ یہ ارشاد

فرمایا کرتے تھے کہ عموماً مقررین اور واعظین میں افراط وتفریط ہوتی ہے، احادیث کے بیان کرنے میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دیا کرتے ہیں اوران کو حدیث قرار دے دیا کرتے ہیں جو یقیناً حدیث نہیں ہیں۔الفاظ حدیث کی تفسیر وتشریح اوراس میں بیانِ نکات امرِ آخر ہے،اور یہ جائز ہے۔مگر نفس حدیث میں اضافہ،اور جس شے کو حضرت نے نہ فرمایا ہواس کو حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا یقیناً وضع حدیث ہے،جس پر سخت وعید وارد ہے۔لہٰذا ایسی مجالس میں اپنی شرکت پسند نہیں کرتا جہاں اس قسم کی خلاف شرع بات ہو۔

واقعہ مناظرہ رنگون:

جنوری ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۳۳۶ھ رنگون سے ایک تار آیا جو چودھری عبدالباری کا بھیجا ہوا تھا۔مضمون یہ تھا کہ مولوی اشرف علی تھانوی یہاں آئے ہوئے ہیں،کیا آپ ان سے مناظرہ کرنے کے لیے یہاں آسکتے ہیں،چودھری عبدالباری کو یہاں کے لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون شخص ہیں اور کس خیال کے ہیں؟ رنگون میں جو لوگ اپنے جان پہچان کے تھے ان میں سے کسی کا تار نہ دینا اور ایک غیر معروف شخص کا اس قسم کی اطلاع دینا باعث تعجب تھا اور یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے پریشان کرنے کے لیے کسی نے اس قسم کا تار دے دیا ہو اور ساتھ میں پھر یہ خیال ہوتا تھا کہ واقعی مولوی اشرف علی صاحب جو ہمیشہ مناظرے سے فرار کرتے رہے ممکن ہے رنگون میں لوگوں کو عقیدت مند بنانے کے لیے مناظرہ کی تیاری ظاہر کی ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ یہاں کون آئے گا؟ اوراگر آئے گا بھی تو کسی نہ کسی ترکیب سے مناظرہ ٹال دیا جائے گا۔تاکہ لوگوں کی عقیدت باقی رہے اور جو لوگ ان کے دامن تزویر میں پھنس چکے ہیں وہ نکلنے نہ پائیں۔اس معاملہ کو باہم، مشوروں سے یہ طے کیا گیا کہ چودھری عبدالباری صاحب سے مصارف سفر منگائے جائیں، اگر انھوں نے بھیج دیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تار کسی فریب پر مبنی نہیں ہے۔چنانچہ ان کو تار سے اطلاع دی گئی کہ تین شخصوں کے لیے سفر خرچ روانہ کردیں کہ ان کو ہم یہاں سے روانہ کریں گے اس وقت مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھی بھی بریلی تھے۔انھوں نے بھی جانے کے لیے آمادگی ظاہر کی، میں مولانا عبدالعلیم میرٹھی،مولانا عبدالکریم چتوڑی (یہ اس وقت میرے پاس پڑھنے کے لیے اپنے وطن سے آئے تھے اور مشغول تدریس تھے) یہ تینوں صاحبان بریلی سے کلکتہ ہوتے ہوئے رنگون جانے کے لیے روانہ ہوئے۔اعلیٰ حضرت نے چودھری عبدالباری کے نام ایک تار روانہ کیا کہ فلاں فلاں شخص کو روانہ کرتا ہوں، اگر میرے آنے کی ضرورت ہو تو وقت پر میں بھی پہنچوں گا اور ایک تار کلکتہ بنام حاجی محمد لعل خان صاحب روانہ کیا کہ یہ لوگ فلاں ٹرین سے جارہے ہیں۔ہوڑہ میں گاڑی سے اترنے کے بعد استقبال والی جماعت میں سے بعض نے یہ کہا کہ آپ لوگ جن کے مناظرے کے لیے رنگون جانا چاہتے ہیں، سنا ہے کہ وہ کل خود کلکتہ آنے والے ہیں (یعنی تھانوی صاحب) اور بیان کنندہ نے یہ بھی بتایا کہ ان کے متعلق ایک اشتہار شائع ہوا ہے کہ وہ کل آئیں گے اور پرسوں ان کا فلاں جگہ وعظ ہے۔تلاش کرنے پر نہ تو اشتہار ملا اور نہ تھانوی صاحب کے آنے کی محقق اطلاع ملی۔

جس شام کو کلکتہ اترے اس کی صبح کو رنگون جہاز جانے والا تھا اگر اس سے جاتے ہیں اور تھانوی صاحب کلکتہ آجاتے ہیں تو جانا بے کار،اور اگر نہیں جاتے ہیں اور فرض کیجیے کہ تھانوی صاحب بھی نہیں آئے تو ہمارے اس تین چار روز کی تاخیر سے اہل رنگون کو پریشانی اور مخالفین کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے،لہٰذا یہ رائے طے پائی کہ مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی کو صبح کے جہاز سے رنگون روانہ کردیا جائے اور ہم یہیں کلکتہ رہ کر تھانوی صاحب کا انتظار کریں۔

مولوی عبدالکریم صاحب سے یہ کہہ دیا کہ اہل رنگون کو اس تقدیر پر کہ تھانوی صاحب وہاں موجود ہوں یہ سمجھادیں کہ وہ گھبرائیں نہیں دوسرے جہاز سے فلاں اور فلاں صاحب کے یہاں آنے کی خبر ہے، اس لیے ہم اپنا سفر ملتوی کرتے ہیں اور مولوی عبدالکریم صاحب کو روانہ کرتے ہیں۔‘‘

رنگون کا جہاز آیا اس سے معلوم ہوا کہ تھانوی صاحب کلکتہ وارد ہوئے ہیں فلاں جگہ ان کا قیام ہوگا اور فلاں جگہ ان کی تقریر، یہ اطلاع پا کر میں نے تھانوی صاحب کے پاس ایک تحریر لکھی کہ رنگون سے یہ تار دیا گیا ہے کہ آپ مناظرہ کے لیے تیار ہیں، اور علماے اہل سنت کو مناظرہ کی دعوت ہے کلکتہ آنے کے بعد ہم کو یہ معلوم ہوا کہ آپ آج یہاں وارد ہونا چاہتے ہیں ان دونوں باتوں کو سن کر سخت تعجب ہوا، اگر آپ مناظرہ کے لیے تیار تھے تو رنگون سے واپس کیوں آئے؟ اور نہیں تیار تھے تو سمندر پار مناظرہ کے اعلان کی کیا ضرورت تھی، بہر حال آپ کی آمد کی اطلاع پا کر میں یہاں رک گیا ہوں، اگر آپ واقعی مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم حاضر ہیں اگر آپ ہمارے پاس آنا چاہتے ہیں تو شوق سے آیئے، آپ کی حفاظت اور نقض امن کے ہم ذمہ دار ہیں۔ یہ مختصر تحریر لکھ کر مولوی محمد یحییٰ صاحب بلیاوی اور شیخ محمد یعقوب صاحب چھپراوی کے حوالے کی گئی کہ آپ دونوں صاحبان دو ایک معتبر آدمی کو لے کر مولوی اشرف علی صاحب کے پاس جائیں اور جواب لائیں۔ ان جانے والے صاحبان کا بیان ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب تک پہنچنے میں بہت دشواریاں پیش آئیں، مگر کسی نہ کسی طرح ہم ان تک پہنچ گئے اور تحریر ان تک پہنچا دی، انھوں نے پڑھنے کے بعد مناظرہ سے انکار کر دیا اور حسب عادت تحریری جواب نہ دیا۔ یہ صاحبان وہاں سے تھانوی صاحب کا جو جواب لائے وہ اور تمام واقعات مفصل طور پر لکھ کر ایک اشتہار کی صورت میں اسی روز شائع کیا گیا۔

علی روس الاشہاد اعلانِ حق:

اور اسی سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک بڑے جلسہ میں تھانوی صاحب کا مناظرے کا اقرار پھر مقابلے کا نام سنتے ہی فرار، عام مسلمانوں کے سامنے بیان کر دیا جائے اور علی الاعلان ان کو دعوت مناظرہ بھرے جلسے میں دی جائے کہ ان میں کچھ بھی دم ہو تو علماے حق کے سامنے منھ کھولیں اور علی رؤس الاشہاد ان کی گمراہی ظاہر ہوگی اور حق کا آفتاب نصف النہار پر چمکے گا اور ان کی ضلالت و بطالت خود ان کی زبان سے عالم آشکارا ہو جائے گی۔ سننے میں آیا تھا کہ رنگون سے واپسی کے بعد تھانوی صاحب تقریباً ایک ہفتہ تک کلکتہ میں قیام کریں گے، مگر جس ڈر سے رنگون سے وہ بھاگے اسی کا کلکتہ میں پھر سامنا کرنا پڑا۔ اگر قیام کرتے ہیں تو اپنے مریدین ومعتقدین میں رسوائی ہوتی ہے، لہٰذا فرار کی ٹھہرائی اور اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ میل ٹرین یا ایکسپریس سے روانہ ہوں مارے ڈر کے اور گھبراہٹ کے پسنجر ٹرین سے روانہ ہوئے۔ جو کتنی دیر کے بعد مغل سرائے پہنچے گی اور تھانوی صاحب کو اپنے وطن تک پہنچانے میں بنسبت ایکسپریس وغیرہ کے کتنا زائد وقت لے گی؟ جلسے کا چوں کہ اعلان ہو چکا تھا اس لیے بڑی دھوم دھام سے اور شان وشوکت کے ساتھ جلسے کا انعقاد ہوا۔ تقریباً آٹھ نو ہزار کا مجمع ہوگا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر تقریر کی گئی اور اسی سلسلہ میں وہابیہ نے جو کچھ شان اقدس میں توہین کی ان کا اور خود تھانوی صاحب کی کتاب حفظ الایمان وغیرہ کا مکمل رد کیا گیا اور رنگون کے اس مناظرے کا واقعہ بھی سنایا گیا جس سے تھانوی صاحب وہاں سے بھاگ کر کلکتہ آئے اور جب یہاں بھی بچنے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو راہ فرار اختیار کی۔ سامعین ان بیانات سے نہایت محظوظ ہوئے اور ان کو وہابیوں کی مکاریاں اور شان رسالت میں ان کی بدگوئیاں معلوم ہوئیں اس جماعت سے سخت نفرت ہوئی اور جلسے نے علی الاعلان ان سے نفرت کی۔ جلسے کے دوسرے دن تھانوی صاحب کے مناظرے اور فرار کی مختصر کیفیت بریلی وغیرہ بھیجی گئی۔ رنگون چودھری عبدالباری وغیرہ کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی اور یہ بھی ان کو تار دیا گیا کہ تھانوی صاحب نہ صرف رنگون بلکہ کلکتہ سے بھی بھاگ چکے ہیں، اب رنگون آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور ایک روز کلکتہ قیام کر کے بریلی واپس جائیں گے۔

ورود رنگون:

وہاں سے تار آیا کہ آپ کا رنگون پہنچنا نہایت ضروری ہے،

فوراً یہاں تشریف لایئے اس تار کے آنے سے کلکتہ سے رنگون روانہ ہوئے اور اپنی روانگی سے اہل رنگون کو اطلاع دی۔رنگون روانہ ہونے کے وقت پہنچانے والوں کا ایک کافی مجمع تھا جو صرف الوداع کرنے کے لیے آئے تھے۔ ہمارا جہاز جب رنگون کی گودی کے قریب پہنچا تو استقبال کرنے والوں کا ہجوم اور جہاز سے اترنے کا نظارہ ایک قابل دید منظر تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں اس وقت مسلمانوں کا مجمع گودی میں حاضر تھا۔ جو اپنے ان مہمانوں کے لیے اپنی آنکھیں فرش راہ کرنا چاہتے تھے۔(اس وقت محض کلکتہ رنگون وغیرہ میں چند موٹریں تھیں)جہاز سے اترے تو استقبال کرنے والوں نے ملاقاتیں کیں، دیر تک ملاقاتوں کا سلسلہ رہا، پھر موٹر پر سوار ہو کر کئی موٹروں کے ساتھ یہ جلوس شہر کا دورہ کرتے ہوئے چودھری عبدالباری کے مکان پر پہنچا۔اصل مقصد یہاں یعنی مناظرہ جس لیے ہم گئے تھے اگرچہ فوت ہو گیا تھا مگر چوں کہ اسی سلسلہ میں جانا ہوا تھا،اس لیے سارے رنگون کی فضا اختلافی مسائل پر گفتگو چاہتی تھی، ہر جگہ اسی کا تذکرہ ہی چھیڑ چھاڑ یہی گفتگو نظر آتی تھی۔سیٹھ عبدالستار اسماعیل گونڈل والے نے جن کی دوکان سورتی بازار میں تھی اعلیٰ حضرت قبلہ سے بیعت تھے اور مجھ سے بھی اس سے پہلے سے کافی معرفت تھی۔یہ شخص خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے اس کے دل میں نہایت سچا جوش مذہب تھا اور بہت زیادہ دیندار پابند شرع ،اس موقع پر جب ہم رنگون پہنچے تو اس نے اپنے نیک مشوروں اور اچھی رائے سے بہت مدد کی۔عبدالغنی پی پی یہ چیت پور کے رہنے والے میمن تھے مذہب کا درد رکھتے تھے، پہلے یہ معمولی حیثیت کے شخص تھے ایک دوسرے میمن کے یہاں ملازم تھے مگر جنگ عظیم کے زمانہ میں ملازمت چھوڑ کر بغیر کسی سرمایہ کے انھوں نے ایک مختصر سا کام کیا اور رفتہ رفتہ جنگ کے بعد تک اتنی ترقی کی کہ چھ سات لاکھ سے کم کی انکی حیثیت نہ تھی، یہ مع اپنے بیٹے عبدالستار کے نہایت حاضر باش تھے اور موٹر کار کے ابتدائی دور میں ان کے پاس بھی ایک عمدہ نفیس موٹر کار تھی۔جس کو انھوں نے ان علما کی سواری کے لیے جب تک ان کا رنگون میں قیام ہو مخصوص کر دیا تھا۔اور اپنے ڈرائیور عبداللہ کو جو بارہ بنکی رہنے والے اور پکے سنی تھے حکم دیا تھا کہ صبح سے رات کے ایک دو بجے تک یہ موٹر ان کے پاس رہے جب سب کاموں سے فرصت پالیں اس وقت موٹر مکان پر واپس ہوا کرے۔چنانچہ جب تک رنگون میں قیام رہا ایسا ہی ہوتا رہا۔

رنگون میں اہل سنت کے جلسے:

بفضلہٖ تعالیٰ شہر رنگون میں بڑی دھوم دھام بڑی آب وتاب بڑے اہتمام کے ساتھ نہایت کامیاب جلسے ہوتے رہے۔ جلسے میں کئی کئی ہزار کا اجتماع ہوتا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کا نام بھی کہیں سننے میں نہیں آیا تھا۔ کئی کئی ہزار کے مجمع میں اس طرح تقریر کرنا کہ سارے مجمع کو آواز پہنچے،کتنا دشوار امر تھا۔بحمدہٖ تعالیٰ جلسہ ہمہ تن گوش بنا رہتا تھا۔اول سے اخیر تک پوری تقریر سنتا تھا اور ان تقریروں کا کافی طور پر اثر ہوتا تھا۔تھانوی صاحب کا اعلان مناظرہ کے بعد بھاگ جانا، پھر ان کے بعد علما اہل سنت کا پہنچنا ان سب باتوں کا مجموعی حیثیت سے اتنا اثر تھا کہ اہل سنت میں پوری بیداری ہو چکی تھی اور دینی باتیں سننے کے لیے ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ جلسوں میں دینی امور کے تذکروں کے ساتھ ساتھ بدمذہبوں خصوصاً وہابیوں کا پورا پورا رد کیا جاتا تھا،جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے اور ان کی معلومات میں بہت اضافہ ہوتا تھا۔روز بروز عوام کی دل چسپی بڑھتی دیکھ کر وہاں کے سورتی وہابیوں کے دلوں میں آتش غضب بھڑکنے لگی اور اپنی آگ میں خود جلنے لگے۔تھانوی صاحب کے بلانے پر ان کو بہت افسوس رہا کہ ہمارے اتنے دنوں کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور قصر وہابیہ جس کو ہم نہایت مستحکم سمجھے ہوئے تھے صدائے حق سے پارہ پارہ ہو کر منہدم ہو گیا۔

انھوں نے یہ سوچا کہ جس طرح تھانوی صاحب یہاں سے چلے گئے ان علما اہل سنت کو بھی یہاں رہنے نہ دیا جائے بلکہ ان کو یہاں سے نکالنے کے لیے کوئی تدبیر عمل میں لائی جائے۔مولوی ابراہیم جو سورتی مسجد کے اس وقت امام تھے اور تمام وہابیوں کے سرغنہ اور سردار تھے سورتی مسجد کی امامت کی وجہ سے رنگون میں

عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ان کے دل میں سب سے زیادہ خلش پیدا ہوئی۔سوچتے سوچتے یہ ترکیب نکالی کہ کمپنیوں میں سب سے بڑا شخص جمال برادرس جو کئی کروڑ کا مالک تھا۔گورنمنٹ میں بھی اس کا بہت اعزاز تھا اس کمپنی کا مالک اس زمانہ میں عبدالکریم نامی تھا یہ شخص کثرت تمول کی وجہ سے بالکل دین سے بے تعلق تھا،نیچریت دماغ میں گھسی ہوئی تھی اپنے گھر کی عورتوں کو موٹر پر بٹھا کر ادھر ادھر سیر وتفریح کے لیے جایا کرتا۔وہابیہ نے مشورہ کر کے مولوی ابراہیم کو عبدالکریم جمال کے پاس بھیجا۔مولوی ابراہیم نے جمال کے سامنے یہاں تک خوشامد کی کہ پگڑی اتار کر اس کے قدم پر ڈال دی اور یہ کہا کہ ہماری عزت اور لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔کسی طرح ایسی ترکیب لگاؤ کہ یہ علما اہل سنت چلے جائیں،بلکہ ان کے روانہ کرنے کی کوئی ایسی صورت نکلے جس میں یہ بالکل مجبور ہو جائیں اور انہیں جانا ہی پڑے تو ہمارا کام بن جائے گا۔اس شخص کو دین سے تعلق تھا نہیں لیکن جب اس کے سامنے اتنی زبردست خوشامد کا مظاہرہ کیا گیا تو اس کو مال ودولت کے گھمنڈ نے اس طرف متوجہ کر دیا کہ میں تو بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہوں دو تین مولویوں کو شہر رنگون سے نکال دینا کون سا مشکل ہے؟اس بنا پر اس نے وعدہ کر لیا اتفاق سے چودھری عبدالباری جن کے وہاں ہم لوگ مقیم تھے اور ان کے چھوٹے چھوٹے اسٹیمر سمندر میں چلا کرتے تھے۔جہاز کے ملازمین نے اس زمانہ میں ہڑتال کی تھی اور اپنی تنخواہوں میں کچھ اضافہ چاہتے تھے یہ معاملہ حکومت کی طرف سے عبدالکریم جمال کے سپرد تھا کہ وہ اس میں فیصلہ کر دیں۔

عبدالکریم نے چودھری عبدالباری کو بلایا اور ان حضرات علما کے متعلق یہ کہا کہ جس طرح ممکن ہو جلد سے جلد پہلے جہاز سے ان کو کلکتہ روانہ کر دیا جائے۔جمال کی باتیں سن کر چودھری عبدالباری کے ہوش اڑ گئے کہ ایسا کرنا مذہب کے بھی خلاف اور مروت وشرافت کے بھی خلاف کہ جن مہمانوں کو اتنی کوشش کے ساتھ بلایا گیا۔ان کو اس طرح بلاوجہ رخصت کرنا میزبان کی نہایت درجہ ذلت اور سبکی ہے۔ادھر جمال سے الگ خوف کہ وہ اتنا بڑا آدمی اگر ہم اس کے خلاف کریں تو کسی نہ کسی موقع پر ہمیں سخت سے سخت تکلیف پہنچائے گا بلکہ اسٹیمروں کے ملازمین کے جو معاملہ اس وقت درپیش ہے اس میں وہ بالکل خلاف فیصلہ کر دے گا تو میرا سخت سے سخت نقصان ہوگا غرض دو متضاد چیزیں عبدالباری کے سامنے نظر آرہی ہیں اور وہ پریشان ہو رہا ہے کہ میں کیا کروں؟ بلکہ جمال نے اثنائے گفتگو میں عبدالباری سے یہ بھی کہا کہ گورنگر کا یہ حکم ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں۔ان باتوں کو سن کر عبدالباری نہایت پریشان حالت میں ان علما کے پاس حاضر ہوئے اور شرمندگی کے ساتھ تمام واقعات اور معذرت پیش کی۔

عبدالباری نے جب گورنر کا حکم ہونا بیان کیا تو سن کر تعجب ہوا اور یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ بلاوجہ گورنر نے ایسا حکم کیوں دے دیا؟ محض اس کے کہنے پر باور نہ کرنا چاہئے بلکہ گورنر سے مل کر دریافت کرنا چاہیے کہ ایسا حکم دیا کہ نہیں؟ اور اگر حکم دیا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ مولانا عبدالعلیم میرٹھی جو انگریزی داں شخص بھی ہیں بعض اور شخصوں کو لے کر گورنر سے ملنے گئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ نے ہمارے جانے یا رہنے کے متعلق کوئی حکم دیا ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں۔پھر یہ بتایا کہ ہماری جماعت مذہبی جماعت ہے،ہم عوام کے سامنے اسلام اور مذہب کی باتیں پیش کرتے ہیں،ان کو امن وصلح سے رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔گورنر نے اس پر یہ کہا کہ ہم ایسے علما کا وجود اپنے ملک میں بہت پسند کرتے ہیں۔ہماری عین خواہش ہے کہ آپ لوگ زیادہ سے زیادہ اس ملک میں قیام کریں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں،جب یہ معاملہ ہو گیا کہ گورنر نے ایسا حکم نہیں دیا ہے اور عبدالکریم جمال نے غلط طور پر عبدالباری کو ڈرانے کے لیے ایسا کہہ دیا تھا تو اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ اگر عبدالباری اپنے یہاں ان علما کو ٹھہراتا ہے تو جمال اس کے خلاف ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کو عبدالباری برداشت نہیں کر سکتا۔عبدالباری علما کے سامنے لجلنے

لگا اور جمال کا خوف ظاہر کرنے لگا، یہ ایک نہایت نازک معاملہ تھا کہ جس نے بلایا اور جس کے یہاں قیام تھا اور جس کے مہمان ہیں وہی رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے تو رنگون میں رہنے کی کیا صورت ہے؟ اور اسی طرح چلا آنا نہایت بری بات ہے۔

عشق گر مصلحت اندیش ہے، ہے خام ابھی:

قدرت کی طرف سے ایک شخص جس کا نام ابراہیم ویلی سورتی تھا وہ تیار ہو گئے اور انھوں نے سب کے سامنے کہا کہ ہم اس طرح جانے نہیں دیں گے، یہ حضرات یہاں رہیں اور ان کے وعظ وتقریر ہوتے رہیں اور جب خود ان کی طبیعت وطن جانے کی چاہے اور یہ حضرات اپنے خیال میں یہ سمجھ لیں کہ یہاں کی ضرورت پوری ہو گئی اس وقت ان کی خواہش پر اہم ان کو باعزت طور پر رخصت کریں گے، اور اگر اس معاملے میں جمال آڑے آتا ہے تو مجھ کو اس کی کچھ پراوہ نہیں ہے، جمال میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اس کا جو جی چاہے کر دیکھے ہم ان علما کو اسی وقت اپنے مکان پر لے جاتے ہیں۔ ابراہیم ویلی حقیقتہ ایک بہت جوشیلا سنی تھا اور بات کا نہایت پختہ اور دھنی تھا اور سورتی قوم پر بھی اس کا کافی اثر تھا، اس کی کوٹھی شہر سے تین میل فاصلے پر تھی فوراً گاڑیاں منگوائی گئیں اور حضرات علمائے کرام کا جو کچھ سامان تھا اس کو ابراہیم ویلی کی کوٹھی پر روانہ کیا گیا اور خود یہ حضرات موٹر سے وہاں پہنچے، ابراہیم ویلی کی کوٹھی اگر چہ شہر سے دور تھی پھر بھی صبح سے آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ سیٹھ ابراہیم دونوں وقت کم از کم پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھانے کا انتظام رکھتے تھے اور تقریباً اتنے ہی آدمی دونوں وقت دسترخوان پر ہوتے تھے۔

رات میں شہر میں جہاں جلسہ ہوتا علما وہاں تقریروں کے لیے تشریف لے جاتے، آدمیوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ جلسے کے بعد کم از کم ایک گھنٹہ مصافحہ میں صرف ہوتا تھا۔ دو بجے یا اس کے بعد قیام گاہ پر واپسی ہوتی تھی۔

شخصی میلاد:

ایک روز دن میں سیٹھ ابراہیم ویلی نے خود اپنی کوٹھی پر میلاد شریف کیا اور اس میں اپنی تمام سورتی برادری کو مدعو کیا، شرکت میلاد کی دعوت بھی دی اور اس کے بعد طعام کی بھی تقریر کے لیے انہوں نے اس جلسہ میں مجھ سے خواہش کی اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج آپ وہابیہ کا رد بلیغ کریں اور میں نے تمام سورتی وہابیوں کو اس لیے مدعو کیا ہے کہ وہ خود اپنے کانوں سے اپنے اکابر وغیرہ کے اقوال وغیرہ سن لیں۔ تقریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ چوں کہ یہ جلسہ میلاد پاک سے متعلق تھا اور اس میں بانی جلسہ کی یہ خواہش بھی تھی کہ وہابیہ کا رد بلیغ کر دیا جائے لہٰذا اس کے جواز پر اولا دلائل آیات، احادیث اور اقوال علما سے پیش کیے گئے میلاد شریف کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ اس چیز کو بدعت یا شرک کہنا کسی مسلم اور مومن کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر میلاد شریف میں اہتمام وتداعی اور جوش وخروش سے مجلس کو آراستہ کرنا، پھولوں وغیرہ سے مجلس سجانا، روشنی کرنا اور مجلس پاک میں بیان ولادت کے وقت کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے، اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے پر عقلی اور شرعی ایسے دلائل قائم کیے گئے جس کو ہر منصف مزاج سمجھ دار نے تسلیم کیا اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جواب:

اسی سلسلہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وہ خواب بھی ذکر کیا گیا جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے اندر درج فرمایا ہے اور یہ بتایا گیا کہ حضور کی ولادت پاک پر ابولہب کو خوشی ہوئی اور اس نے مسرت میں ثویبہ کو آزاد کیا۔ اس کی وجہ سے ایسے شقی بدترین کافر کو بھی حضور کی ولادت پر مسرت کرنے کا یہ فائدہ ملا کہ اس کو ایک تری ملتی ہے، جس کو چوس کر قدرے سکون حاصل کرتا ہے، تو جب ایک کافر کو یہ فائدہ پہنچا تو کوئی مسلم اگر اس پر اظہار مسرت کرے تو ضرور اس سے بہت زیادہ فائدے اس کو پہنچیں گے۔ حضرت عباس کے اس خواب سے بعض لوگ مولود کے جواز پر استدلال کرتے ہیں تو وہابیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ خواب کی بات قابل اعتبار نہیں۔ افسوس کہ خواب بھی کس کا! نبی کریم صلی اللہ علیہ و

سلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا، اور اس خواب کا ثبوت بھی کتنا بروجہ صحیح جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج فرمایا اور اس سے استدلال کیا تو یہ خواب قابل اعتبار نہ رہے گا، کیوں کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت اور آپ کی عظمت شان جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ہے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر جو خواب ایسے ہیں کہ ان سے وہابیہ کے علما کی عزت ظاہر ہوتی ہے اگر چہ اس سے حضور کی شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہوتی ہے وہ خواب نہ صرف قابل اعتبار بلکہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے اور بہت چمک چمک کر ان کو اپنی کتابوں میں درج کیا جاتا ہے۔

علمائے دیوبند کی بدخوابی:

اس سلسلہ میں وہ خواب بھی ذکر کیا گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں روٹی پکائی تھی، وہ خواب بھی ذکر کیا گیا جس میں براہین قاطعہ میں علما دیوبند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردو زبان سیکھنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی ایسے لوگوں سے جن کو یہ خبر نہیں کہ کلام کا لفظ مذکر ہے یا مونث۔ اور اس سلسلہ میں ایک مرید کا وہ خواب جس میں بجائے درود شریف پڑھنے کے اللھم صلی علی سیدنا ومولانا اشرف علی دن بھر پڑھا۔ اسی ضمن میں وہ خواب بھی پڑھا گیا جس میں کسی نے تھانوی صاحب کے گھر میں معاذ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تشریف لانا بیان کیا ہے اور تھانوی صاحب نے اس کی جو کچھ گندی تعبیر کی ہے۔ اور اسی قسم کے چند اور خوابوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ دکھایا گیا کہ خلاصہ ان لوگوں کے اقوال وعقائد کا یہ ہے کہ جس چیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم دیکھتے ہیں اس کے ردوانکار میں طرح طرح کے لایعنی اور بعید از کار باتیں ذکر کیا کرتے ہیں اور اگر اسی قسم کی کوئی ایسی بات جس سے ان کے علما کی تعریف نکلتی ہے تو اپنی طرف سے جھوٹے اور شیطانی خوابوں کو پیش کرتے ہیں اور اپنے علما کی بزرگی وبڑائی بیان کرتے ہیں۔ فلاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ بیان کچھ ایسا مسلسل اور مربوط تھا کہ عموماً سامعین جو اگر چہ وہابی خیال کے تھے مگر ان سب کے دلنشیں ہوتا گیا اور اس وقت ان کو مذہب اہل سنت کی حقانیت تسلیم ہی کرنی پڑی، چاہے بعد میں اس پر قائم رہے ہوں یا نہیں۔ جملہ حاضرین سنی و وہابی سب نے ذوق وشوق سے بیان ولادت پر قیام کیا اور صلوٰۃ وسلام پر یہ مبارک مجلس ختم ہوئی۔ دو ہفتہ سے زائد قیام کے بعد جب وہاں کی فضا بحمدہٖ تعالیٰ بالکل درست ہوگئی اور گلی گلی میں اہل سنت کی حقانیت پر اظہار خیال ہونے لگا اور یہاں کی ضرورتوں نے واپسی پر مجبور کیا۔ مقتدر حضرات سے وہاں سے روانگی کے متعلق کہا گیا اور یہ طے پایا کہ فلاں روز روانگی ہوگی بلکہ سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ بھی ان علما کے لیے خرید لیے گئے۔

جب وہابیوں کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ روانہ ہونے والے ہیں ٹکٹ خرید لیے گئے ہیں اب کسی طرح نہ رکیں گے تو اس وقت جب کہ یہ سب حضرات سیٹھ عثمان عبدالغنی ہی کے دفتر میں موجود تھے۔ مولوی ابراہیم سورتی کی طرف سے ایک آدمی آتا ہے اور مناظرہ کا پیغام دیتا ہے کہ کیوں انھوں نے یہ جانا تھا کہ اب تو یہ لوگ جا ہی رہے ہیں کہنے کو ہوجائے گا کہ میں نے مناظرہ کا چیلنج دیا تھا مگر منظور نہیں کیا، لیکن اہل حق بفضلہٖ تعالیٰ شیاطین کے مکائد سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی شخص سے فوراً یہ اطلاع بھیجی جاتی ہے کہ ہم مناظرہ کے لیے موجود ہیں اگر چہ آپ اس قابل نہیں کہ آپ کو منھ لگایا جائے مگر اہم اس کی پرواہ نہیں کریں گے، اگر آپ خود مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ جگہ اور وقت وغیرہ آج طے کرلیا جائے اور ہم اپنی روانگی کو ملتوی کرتے ہیں اور آپ کے جواب آنے پر ہم اپنے ٹکٹوں کو بےکار کیے دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے محض ہمارے ٹکٹ کے روپے برباد کرنے کا ارادہ کیا ہے اور مناظرہ کا نام صرف دھوکہ دینے کے لیے لیا ہے اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ آپ تو کیا آپ کے اکابر میں بھی ہمت وجرأت ہیں۔ ہم نے ٹکٹ خراب کردیا اور آپ نے مناظرہ نہ کیا تو ہمارے ٹکٹ کی قیمت آپ کو دینی ہوگی اور یہ نقصان آپ کے ذمہ رہے گا۔ آپ کا جواب آنے کے

بعد ہم ٹکٹ ضائع و بے کار کردیں گے اور تین گھنٹہ تک ہم اس کا انتظار کریں گے اگر یہ وقت گزر گیا اور آپ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو سمجھ لیا جائے گا کہ یہ آپ کی طرف سے ایک فریب تھا جو ہمیشہ آپ کے ہم مذہبوں کا شیوہ رہا ہے۔ بھلا ان کی ہمت کیا ہوتی کہ شیرانِ حق کے مقابلے میں آتے؟ دوسرے دن تک بھی اس کا جواب نہ آسکا تین گھنٹہ کیا معنی؟

رنگون سے واپسی:

جہاز کی طرف سے یہ اطلاع ملی کی جہاز تین بجے کے بعد رات میں روانہ ہوگا مگر مسافر دن ہی دن میں نماز مغرب سے قبل سوار کردیے جائیں گے اس کے بعد حسب دستور پھاٹک وغیرہ بند کردیے جائیں گے اور کسی کو آنے جانے کی اجازت نہ رہے گی۔ چنانچہ ان علما کے سامان وغیرہ بھی بعد نماز عصر جہاز پر روانہ کردیے گئے اور ان کے کمروں میں لگادیے گئے اور خود ان کے لیے اجازت لے لی گئی کہ بارہ بجے رات کے بعد جلسے سے فارغ ہوکر یہ حضرات جہاز پر تشریف لائیں گے۔ اس شب میں بھی ایک بڑا عظیم الشان جلسہ تھا جس میں کئی ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ حسب دستور مسائل، عقائد پر تقریریں ہونے کے بعد رنگون کا اتنے دنوں تک قیام اور ان میں جو کچھ بھی چھوٹے بڑے واقعات پیش آئے ان کو بیان کرنے کے بعد حسب دستور جلسہ صلوٰۃ وسلام پر ختم ہوا اور حاضرین نے بڑے ذوق وشوق اور محبت کے ساتھ علما سے مصافحہ کیے، تقریبا دو ہزار آدمی جہاز تک رخصت کرنے کے لیے گئے۔ جس وقت گودی کا پھاٹک کھولا گیا ہے اور اتنے بڑے عظیم الشان مجمع کا داخلہ ہوا ہے تو اہل شہر نے اپنے معزز مہمانوں کو رخصت کیا اور جہاز پر سوار کیا ہے جدائی سے لوگوں کے دل بے تاب اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ مجمع کی ایک دل چسپ کیفیت تھی جو دیکھنے کے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔ مجمع وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کسی طرح کہہ سن کر روانہ کیا گیا اور یہ حضرات اپنے کمروں میں تشریف لے گئے۔ جہاز اپنے وقت پر روانہ ہوا اور سمندر کی لہریں کاٹتا ہوا کلکتہ پہنچا۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبدالکریم جمال جس نے اپنی دولت کے گھمنڈ میں علماے اہل سنت کے ساتھ زیادتی کی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا قدرت کی طرف سے نہایت جلد اس سے زبردست انتقام لیا گیا۔ چند ہی ماہ میں ایسا برباد ہوا کہ نہ دولت باقی رہی نہ شوکت نہ اس کا نام باقی رہا نہ حکومت۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب پوکھر یروی:

پوکھر یرا ضلع مظفر پور میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ مذہب کا بہت زیادہ جوش ان کے دل میں تھا کبھی کبھی جلسہ بھی کیا کرتے تھے۔ جلسہ بہت دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ سنا ہے کہ پندرہ بیس کوس سے دیہات کے باشندے مسلمان بکثرت آتے تھے۔ ان سب کی مہمانی جن کی تعداد کئی سو سے زیادہ ہوتی تھی، مولوی صاحب کے ذمہ ہوا کرتی تھی۔ جلسہ کے لیے پہلے ہی دیہات وغیرہ سے انتظام ہوجایا کرتا تھا تا کہ کم ازکم چار پانچ روز برابر ہر وقت ان دیہاتی مہمانوں کی خورد ونوش کا انتظام کیا جاسکے۔ وہاں کا جلسہ اپنی نوعیت میں جداگانہ تھا صبح سے شروع ہوتا تھا اور رات کو بارہ ایک بجے ختم ہوتا تھا۔ کھانے اور اوقات نماز میں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے جلسہ ملتوی کردیا جاتا تھا، کیوں کہ عموماً سامعین وہ تھے جن کو اور کہیں آنا تھا نہ جانا، نہ شرکت جلسہ کے سوا ان کے لیے کوئی دوسرا کام، آس پاس کے دیہات والے کھانا وغیرہ کھانے اپنے گھر چلے جاتے تھے مگر دور دراز والے وہیں مقیم رہتے تھے، ان کی خواہش یہی تھی کہ تقریر ہوتی رہے اور ہم سنا کریں۔ جلسہ کے لیے نہ فرش وفروش کی حاجت تھی نہ شامیانہ تاننے کی ضرورت، کسی باغ میں تخت بچھا دیا جاتا پیڑوں کے سائے کے نیچے خدا کے بچھائے ہوئے فرش پر سامعین بیٹھے ہوئے علما کی تقریریں سنا کرتے، وہاں کے جلسوں کی سادگی اور ان سارے مسلمانوں کا ذوق وشوق ایک عجیب وغریب کیف پیدا کرتا تھا۔

پکھریرا میں جلسہ عید میلاد:

ایک مرتبہ مجھے بھی مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شرکت

جلسہ کی دعوت دی۔ بریلی سے مظفرپور، دربھنگہ اور سمستی پور ہوتا ہوا جنک پور اسٹیشن پر جا کر اترا۔ اب یہاں سے غالبًا چھ سات کوس کا وہ راستہ ہے جو پالکی یا بیل گاڑی سے طے کیا جاتا ہے۔ میری سواری کے لیے بیل گاڑی آئی تھی جس سے وہاں پہنچا۔ جانے پر یہ پتہ چلا کہ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی بھی تشریف فرما ہیں اور مولانا حمداللہ صاحب بھی ضلع پشاور کے رہنے والے جو ایک زمانہ دراز تک بغداد شریف میں قیام پذیر رہ چکے تھے وہ بھی یہاں موجود ہیں، میرے پہنچنے پر ایک دن پہلے سے جلسہ شروع ہو چکا تھا۔ پہنچنے کے بعد جلسے کی کیفیت دریافت کی، معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اعلان کر دیا تھا بلکہ لکھ کر نوٹس لگا دیا تھا کہ کوئی صاحب بغیر اجازت جلسے میں بولنے کا حق نہیں رکھتے اور مخالفین کو کسی قسم کے سوال وغیرہ کی اجازت نہیں۔

مولوی مرتضی حسن دربھنگی جو اکثر ان اطراف میں دورہ کیا کرتے تھے، ایسے ہی موقع کی تلاش میں رہتے کہ فساد پیدا کریں اور مسلمانوں میں خانہ جنگی کرائیں، موقع کو غنیمت دیکھا اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس اس مضمون کا خط بھیجا کہ مجھے جلسے میں آنے اور بولنے کی اجازت دی جائے، مولوی صاحب سمجھے کہ ایسا کرنے میں جلسہ درہم برہم ہو جائے گا اور اگر کہیں فساد ہو گیا تو ساری ذمہ داری ہمارے اوپر ہوگی، یہ سمجھ کر اس خط کا جواب نہ دیا پھر کیا تھا لومڑی کو موقع ہاتھ آیا شیر بن کر غرانے لگی اور ایک دن میں یکے بعد دیگرے دس سے زیادہ خطوط اسی مضمون کے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس انھوں نے بھیجے ہر خط میں بڑی بڑی تعلیاں، عدمِ فساد کے بڑے بڑے حوصلے اور منصوبے اور اہل حق پر نہایت صریح بزدلانہ حملے ہوتے تھے۔

مولوی صاحب یہ سمجھے تھے کہ ہم جلسے کی تاریخیں اسی طرح خاموشی کے ساتھ گزار دیں گے، جب جلسہ ہو چکے گا اس وقت ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور یہ نہ سمجھے کہ عوام پر اس کا اثر کیا ہوگا؟ پکھریرا کے قریب ایک موضع بالا ساتھ تھا، مولوی مرتضی حسن صاحب وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں والوں اور پکھریرے کے لوگوں میں کچھ مخالفت کرنے پر آمادہ ہیں، یہ موقع مولوی مرتضی حسن کو نہایت اچھا ہاتھ آیا، وہاں سے خطوط پر خطوط بھیج رہے ہیں اور زبانی لوگوں میں تحریک کر رہے ہیں اور لوگ جب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ان لوگوں کی تحریر کا کچھ جواب نہیں دے رہے ہیں تو ان لوگوں کو خیال ہوا کہ مولوی مرتضی صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی حق ہوگا، ورنہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو خاموش رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی، بلکہ جب ان کے وہاں جلسے میں بڑے بڑے علما آئے ہوئے ہیں تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ شاید علمی کمزوری کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکتے ہوں۔

بہرحال آس پاس کے دیہات بلکہ دور دور گاؤں والوں کے خیالات مذبذب ہونے لگے۔ جن کی طرف مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی مصلحت اندیشی سے بالکل توجہ نہیں کی، جب یہ کیفیت مجھے معلوم ہوئی کہ یہاں یہ ہو رہا ہے مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے یہ کہا کہ بلا تامل آپ ان کو جلسے میں آنے اور مناظرے کی اجازت دے دیجیے۔ مولوی صاحب کچھ گھبرا سے گئے کہ کوئی فساد ہو گیا تو ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی، ان کو بتایا اور سمجھایا کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم اس کام کو سنبھالیں گے، اتنے میں پھر مولوی مرتضی صاحب کا ایک خط آیا جس میں تعلیوں کی بھرمار تھی اور حسب دستور بے جا اور رکیک حملے، تمام چیزوں کو چھوڑتے ہوئے اصل سوال کا جواب دیا کہ ہم مناظرے کے لے تیار ہیں آپ کو اجازت ہے آیئے اور جس مسئلے پر چاہے گفتگو کیجیے۔ اس خط کا پہنچنا تھا کہ مولوی مرتضی صاحب کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، حواس باختہ ہو گئے، حیلے حوالے کرنے لگے۔

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن:

ان کا مقصد نہ تو مناظرہ کرنا تھا اور نہ بے چارے میں مناظرہ کرنے کی استعداد اور صلاحیت تھی، ساری عمر وعظ کہنے اور اس میں ٹھٹھہ بازی اور مذاق کرنے کے علاوہ انھوں نے کیا ہی

کیا تھا؟ جوعلما کے مقابل آتے، اب اگر جلسے میں نہیں جاتے تو بھد (بے عزتی) ہوتی ہے کہ کس منھ سے آپ جلسے میں جانے کی اجازت مانگتے تھے؟ اب جب کہ اجازت دے دی گئی تو جاتے کیوں نہیں؟ اور اگر جاتے ہیں تو گفتگو کرنے کی اپنے میں جرأت نہیں پاتے، اس خط کے جواب میں تحریر کرتے ہیں کہ وہاں آنے پر ہم کو اندیشہ ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ زیادتی نہ کرے، یہ جواب دیا کہ آپ آیئے اور ہر قسم کا اطمینان رکھیے ہم اس کے ذمہ دار ہیں کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ ہوگی۔ اب اس کا یہ جواب ملا کہ ہمیں اب بھی اندیشہ ہے اور اطمینان نہیں ہے، پکھیریرے کے لوگ معزز زمین دار اس کی ذمہ داری کریں اور اپنی ذمہ داری کی تحریر بھی دیدیں تو ہم آسکتے ہیں، دروغ گورا تا بخانہ بباید ورسانید وہاں کے چند زمینداروں کے دستخط کرا کر ایک تحریر بھیجی جاتی ہے کہ آپ یہاں آیئے کسی کو نہ جھگڑا کرنا ہے نہ اس کی ضرورت۔ شریعت کے مسائل پر گفتگو کرنی ہے، فریقین کے علما آپس میں بات چیت کرلیں گے، عوام صرف سنیں گے ان کو بولنے کا کوئی حق نہ ہوگا اور کسی قسم کا جھگڑا وفساد نہ ہوگا، ہم لوگ اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس تحریر کے پہنچنے کے بعد بھی مولوی صاحب کو جلسہ گاہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی، یہ جواب دیا کہ مجھے اب بھی اندیشہ ہے، میں وہاں آنے کے لیے تیار نہیں ہوں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے علما کو یہاں بھیج دیجیے میں ان سے گفتگو کروں گا، اس کا جواب مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے یہ دیا کہ ہمارے علما وہاں تشریف لے جانے کے لیے تیار ہیں، مگر جب کہ آپ نے یہاں آنے کے لیے زمین داروں کی ذمہ داری طلب کی تو اب ہم بھی اس قاعدے کے مطابق آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ نقص امن سے حفاظت کی ذمہ داری کی جائے اور اس کاغذ پر زمینداروں کے دستخط کروا کر ہمارے پاس روانہ کیا جائے اور ہم کو وقت بتایا جائے، تاکہ ہمارے علما اسی وقت آپ کی قیام گاہ پر پہنچیں۔ اس تحریر کا ایک بے ہودہ جواب انھوں نے لکھ بھیجا کہ آپ اپنے علما کو یہاں بھیج دیجیے، نہ نقض امن کی ذمہ داری نہ کسی زمیندار کے دستخط۔ سمجھ لیا گیا کہ مولوی صاحب کا مقصد گریز ہے اور ان حیلوں سے وہ اپنی فرار، ذلت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، ان کو آخری تحریر بھیج دی گئی کہ جب آپ کی طرف سے نہ کوئی ذمہ داری ہے نہ کسی کے دستخط ہیں تو اب ہماری طرف سے یہ آخری خط ہے کہ آپ نہ ہمارے یہاں آئیں اور نہ ہم آپ کے یہاں آئیں بلکہ دونوں موضعوں کی سرحد پر فریقین کا اجتماع ہوجائے اور وہیں مناظرہ ہوکر حق وباطل کا فیصلہ کرلیا جائے۔ آخر میں ہم یہ لکھتے ہیں کہ ہمارے علما ابھی اسی وقت دونوں موضعوں کی سرحد پر جانے کے لیے تیار ہیں بلکہ جارہے ہیں اس رقعہ کے پہنچنے کے بعد آپ بھی فوراً آجائیں، چنانچہ علما اہل سنت کثیر جماعت کے ساتھ قریب عصر یہاں سے روانہ ہوکر سیوانے پر جاکر قیام پذیر ہوئے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد تقریر شروع ہوئی۔ سلطان الواعظین مولوی عبدالواحد صاحب نے اپنے خاص انداز میں ایک بہت نفیس تقریر فرمائی۔ سیوانے پر پہنچنے کے بعد بھی موضع بالا ساتھ میں مولوی دربھنگوی صاحب کے پاس ایک آدمی بھیج دیا گیا کہ وہ سب لوگ فلاں جگہ مجتمع ہیں، آپ چلیے سنتے ہی چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں نہ راہ رفتن نہ جائے ماندن، بالا ساتھ کے کچھ مسلمان بھی ان سے کہنے لگے کہ مولوی صاحب اب کیوں نہیں چلتے؟ مگر ان میں کہاں ہمت کہ شیرانِ حق کے مقابلے میں آسکیں۔ بالا ساتھ والوں نے جب انہیں مجبور کیا کہ آپ کو چلنا ہی پڑے گا ورنہ اس میں ہماری بڑی بے عزتی ہوگی ناچار مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری بے عزتی ہے تو مجھے یہاں سے کسی طرح چلے جانے دو تاکہ میں دوسرے موضع میں قیام کروں۔ جس جگہ علما اہل سنت مجتمع تھے بالا ساتھ سے جانے کے لیے راستہ بھی وہی تھا مگر دربھنگی صاحب نے اس راستہ کو بھی چھوڑا اور لاٹھیوں کے سایہ میں دوسرے راستہ سے فرار کیا، یہ ہیں دربھنگی صاحب کے حالات جو اپنے کو بزعم باطل ابن شیر خدا کہتے ہیں اور ہمہ وقت مناظرے کے لیے آمادگی ظاہر کرتے ہیں، مگر الحمدللہ کہ کبھی مقابلے میں نہیں آئے اور ہمیشہ راہِ فرار اختیار کی۔

(جاری)

خضر راہ

اس کالم میں قارئین اور دانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں (ادارہ)

جدید اسلوب میں فکر رضا کی ترجمانی اور مسلک بیزار تحریروں کا جواب

مفتی شمشاد احمد مصباحی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

میری دیرینہ خواہش تھی کی دہلی کی سرزمین سے ایک ایسا رسالہ جاری ہو جو اسلامیان ہند کے دین وایمان کو استحکام بخشنے کے ساتھ ساتھ جدید اسلوب میں فکر رضا کی ترجمانی کرے۔ اور اپنی تجدد پسند طبیعت پر پردہ ڈالنے کے لیے وسیع پیانے پر پھیلائی جانے والی مسلک بیزار تحریروں کا منھ توڑ جواب بھی دے سکے۔ عمان اعلامیہ پر مولانا طارق انور کی فکر انگیز اور تعقباتی تحریر پڑھ کر صرف امید ہی نہیں بلکہ یقین ہو چلا ہے کہ ''پیغام شریعت'' اسی آرزو کی تکمیل ہے۔ ''عمان اعلامیہ'' میں کچھ بھی نیا نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف نے کتاب وسنت کی روشنی میں حق وباطل کے درمیان جو خط کھینچا تھا اسی کو مٹانے کی ایک کوشش ہے۔

یہ تحریک گزشتہ کئی سالوں سے دنیا کے مختلف ملکوں میں سرگرمی دکھا رہی ہے، لیکن ابھی تک ہندو پاک میں ''عمان اعلامیہ'' کو متعارف نہیں کروایا گیا تھا۔ اب جب کہ یہاں بھی اس کے زہریلے اثرات پہنچ چکے ہیں اس پر واضح طور پر رد وتنقید شائع کر کے ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے ارکان نے وقت کی اہم ترین دینی خدمت انجام دی ہے، جس کے لیے پوری ٹیم بے شمار دعاؤں کی مستحق ہے۔ ''عمان اعلامیہ'' کا دائرہ کچھ چھوٹا ہے، دائرہ بڑھ جائے تو وہی صلح کلیت سے عبارت ہے۔ اور صلح کلیت کی یہ تحریک بہت پرانی ہے جو الگ الگ روپ میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ ابھی کچھ ماہ پہلے تصوف کے لبادہ میں اسے پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی، مگر جب تک آپ جیسے بالغ نظر محققین اور مخلص قائدین موجود ہیں صلح کلیت کی یہ دیوی چاہے جس روپ میں بھی آجائے بے نقاب ہوتی رہے گی۔ رسالے کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لیے بندہ حاضر ہے۔

شمشاد احمد مصباحی جامعہ امجدیہ گھوسی

۹/اگست ۲۰۱۶ء

عمان اعلامیہ خلیل بجنوری کے نظریے کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

مکتوب مفتی شریف الرحمٰن رضوی جنرل سکریٹری آل کرناٹکا سنی علما بورڈ (کرناٹک)

''عمان اعلامیہ'' سے متعلق فاضل گرامی مولانا طارق انور مصباحی زید مجدہ رکن آل کرناٹکا سنی علما بورڈ (کرناٹک) کا مضمون باصرہ نواز ہوا۔ درحقیقت یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ خلیل بجنوری نے تکفیر مسلم سے متعلق جو نظریہ پیش کیا تھا، یہ اسی کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ جتنے سوالات تکفیر مسلم سے متعلق ہو سکتے تھے، خلیل بجنوری نے قریباً وہ تمام سوالات اپنی کتاب ''انکشاف حقیقت'' میں لکھ دیا ہے۔ لوگ انہی سوالات کو دہراتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اکابرین دیوبند سے بھی اس کتاب کی ترتیب میں مدد لی گئی ہو۔ شاہ اردن کوئی عالم وفاضل

نہیں۔انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ تکفیر کا مسئلہ، علماء کرام کے باہمی اختلافات کا نتیجہ ہے۔اس لیے مختلف مکاتب فکر کے قائدین کو بلاکر انہوں نے ان اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی ہوگی۔اب جو دنیادار علما ہیں، وہ بھی شاہ اردن کی تائید میں مستعد ہوگئے۔ حالانکہ تکفیر کا مسئلہ عقائد اسلامیہ کا ایک اہم باب ہے۔ جو درحقیقت اسلامی عقائد کے تحفظ کا ضامن ہے۔ ورنہ جس کے دل میں جو آتا، کہہ گذرتا۔

عہد حاضر میں چونکہ بے راہ روی اور آزادخیالی میں بہت تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ بلکہ نوجوانان اہل سنت کا ایک طبقہ اپنی کم علمی کے سبب غلط افکار ونظریات کو بہت تیزی کے ساتھ قبول کرتا جارہا ہے۔اور اپنے نظریات کو قوم کے سر تھوپنے کی بھی کوشش ہورہی ہے۔ فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین وفقہاء دین کے اختلافات ہوا کرتے ہیں۔اسی لیے مذہب اہل سنت وجماعت میں چار فقہی مذاہب قابل عمل قرار دیئے گئے ہیں۔لیکن عقائد قطعیہ میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ان نوجوانوں نے فقہی اختلافات کو دیکھ کر قطعی واعتقادی مسائل میں بھی اختلاف کو جائز سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ ایسا نظریہ قائم کر لینے پر خود یہ لوگ شرعی گرفت کے دائرہ میں آسکتے ہیں۔

چونکہ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے ارکان وذمہ داران احقاق حق وابطال باطل کا جذبہ رکھتے ہیں۔اس لیے انہیں چاہیے کہ ہمت وحوصلہ کے ساتھ خلیل بجنوری کے فتنہ کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کریں۔ یہی عمان اعلامیہ اور اس قسم کے تمام سوالات کا حل ثابت ہوگا۔اسی طرح عمان اعلامیہ میں جو تین سوالات شاہ اردن کی جانب سے پیش کئے گئے ہیں۔شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ان سوالوں کا بھی شافی وکافی جواب دیا جائے۔

اسی طرح عمان اعلامیہ میں مذکور فرق اربعہ کا تفصیلی خاکہ قوم کے سامنے پیش کیا جاسکے۔تاکہ عوام وخواص اصل حقائق سے مطلع ہوسکیں۔کوشش ہو کہ سنجیدہ طرز تحریر اور مثبت انداز میں داخلی وخارجی فتنوں کے ایسے جوابات شائع کیے جائیں کہ مخالفین بھی قبولیت کی جانب مائل ہوں۔ میں اپنی طرف سے اور ''آل کرناٹکا سنی علماء بورڈ'' کی جانب سے رسالہ کی اشاعت پر ''ارکان پیغام شریعت'' کو ہدیہ تہنیت وتبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے تصدق اس رسالہ کو عروج ودوام عطا فرمائے۔اور مسلک اہل سنت وجماعت (مسلک اعلیٰ حضرت) کا فروغ وارتقا اس کے ذریعہ عمل میں آئے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

شریف الرحمٰن رضوی (پرنسپل تاج الشریعہ عربک کالج ہاسن)

اہل سنت کے فروغ اور علمائے کرام کی صلاح وفلاح کی ایک تجویز

مولانا طارق انور مصباحی کیرلا

ہندوستان میں مذہب اہل سنت وجماعت کے فروغ وارتقا اور علمائے کرام کی صلاح وفلاح کے لیے ایک تجویز حاضر خدمت ہے۔ امید قوی ہے کہ علمائے اہل سنت ودانشوران قوم وملت اپنے عمدہ اور مفید مشوروں سے ہمیں مطلع فرمائیں گے۔

(۱) ہر سال ہندوستان کے مدارس اسلامیہ سے قریباً بیس ہزار علماء فارغ ہوتے ہیں۔جبکہ ہر سال اس مقدار میں جدید مساجد ومدارس تعمیر نہیں ہوتے کہ وہاں ان فارغین کو مقرر کیا جاسکے۔آخر یہ فارغین، تحصیل معاش کے لیے کیا کریں؟

(۲) علمائے کرام مساجد ومدارس تک محدود رہا کرتے ہیں۔مدارس سے عوام الناس کا زیادہ ربط وتعلق نہیں ہوتا۔مساجد میں عموماً صرف جمعہ کو خطابات ہوتے ہیں اور اکثر مسلمان نماز جمعہ کے قریب مسجد میں حاضر ہوتے ہیں۔اس طرح وہ علماء کرام کے مواعظ وتقاریر سن نہیں پاتے۔ اب ان کے ایمان وعقائد کا تحفظ کس طرح کیا جائے؟ یعنی علماء کرام وقائدین ملت مساجد ومدارس تک محدود ہیں اور عامۃ المسلمین، تحصیل معاش کیلئے بازاروں، دوکانوں، حکومتی وغیر حکومتی محکمہ جات مثلاً بینک، پوسٹ آفس، اسکول، کالج، یونیورسٹی، ریلوے، پولیس و دیگر

فیکٹریوں وکمپنیوں سے منسلک ہوتے ہیں-اوران مقامات ومحکمہ جات میں علماء کرام موجودنہیں ہوا کرتے۔جبکہ اغیاران تمام شعبہ جات میں براجمان ہیں اورقوم مسلم کومذہب اہل سنت وجماعت سے برگشتہ کرکے اپنی جماعتوں میں شامل کرلیتے ہیں۔کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ علماء اہل سنت بھی مساجد ومدارس کے ساتھ ان تمام معاشی شعبوں میں داخل ہوں، جہاں عام مسلمانوں سے ان کے مراسم قائم ہوسکیں اوروہ حسب ضرورت ان کے ایمان وعقائد کے تحفظ کیلئے کوشاں رہیں؟

حکومتی محکمہ جات اورکمپنیوں میں جوائن ہونے کے لیے کم ازکم 2+10 کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوگی۔اس لیے چندایسی تعلیمگا ہیں قائم کی جائیں، جہاں فارغین مدارس کیلئے’’یک سالہ کورس‘‘ کا انتظام ہو۔انہیں دعوت وتبلیغ کی تربیت اورعقائدوفقہ کی اعلیٰ تعلیم دی جائے-ساتھ ہی انہیں اوپن اسکول (Open School)کے نظام تعلیم کے تحت ایس ایس ایل سی (**S.S.L.C/Matriculation**) میں ایڈمیشن دلاکر امتحانی مضامین کی تیاری کرائی جائے۔ ایس ایس ایل سی کے بعد پی یوسی (**P.U.C./Intermediate**) میں داخلہ دلاکر وقتی طور پرانہیں کسی مسجد یا مدرسہ سے منسلک کردیا جائے -تاکہ وہ اپنی معیشت کا بھی کچھ انتظام کرسکیں اوراپنی اسکولی تعلیم بھی جاری رکھیں۔حکومتی محکمہ جات کی ویکینسی (vacancy) کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔یہ اس کے امتحانات میں شرکت کریں۔اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ ثم ان شاء الرسول ﷺ رفتہ رفتہ علمائے کرام،مختلف محکمہ جات سے منسلک ہوتے جائیں گے-اوران محکموں میں موجود مسلمانوں کی صالح رہنمائی کرسکیں گے۔اگرآج ہم نے یہ کام شروع کردیا تو انشاءاللہ تعالیٰ چند سالوں بعد اس کے عمدہ نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے-ارباب فکرونظر ہمیں اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں۔اس پروگرام کے آغاز کے لیے عملی اقدام کی کوشش جاری ہے۔**لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرًا.**

طارق انور مصباحی (کیرلا)

tariqueanwer313@gmail.com

ترسیل زراورخط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ پیغام شریعت مکان نمبر۴۲۲ دوسری منزل گلی سروتے والی مٹیامحل جامع مسجد دہلی ۶۔

آفس کا فون نمبر 0111123260749

موبائل نمبر محمد قاسم القادری 9911062519

موبائل نمبر محمد آفتاب عالم 9654336678

Email.paighamesshariat@gmail.com

معزز قارئین!

ماہنامہ پیغام شریعت کی ممبرشپ لینے کے باوجود اگر رسالہ نہیں پہنچ رہا ہے تو ہمیں اطلاع دیں۔ساتھ ہی اگرآپ اس رسالے کے قاری ہیں تو چند سطروں میں رسالے کے مشمولات اورمضامین پر اپنی رائے کا اظہار کردیا کریں ، اس سے ہمیں آپ کے لیے رسالے کوبہتر اورمفید بنانے میں آسانی ہوگی۔(ادارہ)

خیر و خبر

فتاویٰ رضویہ قدیم کی ترتیب جدید
امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کا شاہکار

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف گزشتہ کئی سالوں سے حضرت مفتی محمد حنیف صاحب رضوی کی سرپرستی میں مختلف علمی واشاعتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ چار پانچ سال قبل ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف'' نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ فتاویٰ رضویہ شریف بارہ جلدوں کی ترتیب جدید، تخریج اور تکمیل یعنی جو رسائل اس میں شامل ہونے سے رہ گئے یا غیر مرتب انداز میں شامل ہوئے ان سب کو فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ فتاویٰ میں شامل کیا جائے اور جدید کمپوزنگ اور کامل تصحیح کے ساتھ شائع کیا جائے۔ چنانچہ یہ کام شروع ہوا اور مسلسل کوششوں کے بعد اب تقریباً پایہ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ اور عن قریب پریس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس کی تیاری میں خاصا احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تین مرتبہ پروف ریڈنگ اور مقابلہ کے بعد کہنہ مشق مفتیان کرام کے مطالعہ سے تمام جلدیں گزاریں اور ہزاروں غلطیاں درست کی گئیں۔ نیز اس اڈیشن میں کچھ مزید رسائل بھی شامل کیے گئے ہیں۔

قدیم فتاویٰ رضویہ ۱۲؍جلدوں میں فتاویٰ کے علاوہ ایک سو بیس (۱۲۰) رسائل رضویہ شامل ہیں، اور جدید مترجم تیس جلدوں میں دو سو چھ (۲۰۶) رسائل شامل ہیں۔ مگر ہماری اس جدید اشاعت میں رسائل کی تعداد (۲۲۳) ہے، یعنی قدیم بارہ جلدوں پر (۱۰۳) رسائل کا اضافہ ہے، ان کے علاوہ مزید ایک سو سے زیادہ اعلیٰ حضرت کے وہ فتاویٰ بھی ہیں جو اعلیٰ حضرت کے زمانہ ہی میں مختلف رسائل و جرائد یا دوسری کتابوں میں شائع ہوئے اور اب تک وہ فتاویٰ رضویہ میں نہ آ سکے۔ تلاش و جستجو کے بعد ان کو حاصل کر کے متعلقہ ابواب میں شامل کر دیا گیا ہے، اسی طرح احکام شریعت و عرفان شریعت کے مسائل بھی متعلقہ ابواب میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

فہرست مسائل مختصر انداز میں بنائی گئی ہے اور ہر جلد کے ساتھ اس کو رکھا گیا ہے لیکن علاحدہ تمام جلدوں کی ایک فہرست بطور اشاریہ تیار کی گئی ہے جس کے ذریعہ کسی بھی مسئلہ کے ایک لفظ کو سامنے رکھ کر آپ وہ مسئلہ تلاش کر سکتے ہیں، اس کی ایک مستقل جلد ہے ساتھ ہی آیات اور احادیث کی فہرست بھی اس میں شامل ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اس جدید اڈیشن کی خصوصیات اس طرح ہیں:

(۱) پوری کتاب فقہی ابواب پر مکمل طور پر مرتب ہے، اب تک قدیم و جدید کسی اڈیشن میں مسائل و رسائل کامل طور پر مرتب نہیں تھے۔

(۲) ہر جلد کے شروع میں تمام جلدوں کے ابواب و رسائل کی فہرست ہے تاکہ قاری کے سامنے جو جلد بھی آئے پورے سیٹ کا خاکہ اس کے سامنے ہو۔

(۳) قدیم سیٹ میں ۱۲۰؍رسائل ہیں، اس جدید سیٹ میں ۲۲۳؍رسائل ہیں۔

(۴) قدیم میں عبارات کی تخریج نہیں، اس میں مکمل عبارات کی تخریج ہے۔

(۵) قرآن کریم کی آیات واضح انداز میں خوبصورت کتابت اور رسم قرآنی کے مطابق مع اعراب ہیں۔

(۶) احادیث کریمہ بھی نمایاں انداز میں تحریر کی گئی ہیں۔

(۷) جدید ترتیب، پیراگراف، کوما، ڈش وغیرہ رموز کتابت کی رعایت اردو اور عربی دونوں میں ہے۔

(۸) ہر رسالہ نئے صفحے سے شروع کیا گیا ہے اور ذیلی سرخیاں بھی قائم کی گئی ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ان شاء المولیٰ تعالیٰ یہ کامل و اکمل خوبصورت سیٹ عرس رضوی کے موقع پر منظر عام پر آ جائے گا۔ **مکمل ۲۲؍جلدیں۔ڈیلکس ایڈیشن: صفحات: 18000 سے زیادہ**

عام ہدیہ -/15000 رعایتی ہدیہ: 5500

سادہ ایڈیشن، عام ہدیہ -/13000 رعایتی ہدیہ: -/4800

BANK OF BARODA IMAM AHMAD RAZA ACADEMY A/c No. 23550100009263

نوٹ: سیٹ بک کرانے والے حضرات اگر عرس رضوی میں اپنا سیٹ دستی حاصل کرنا چاہیں تو اصل رسید جمع کر کے اپنا سیٹ حاصل کر لیں، ورنہ بذریعہ ٹرانسپورٹ یا ڈاک منگائیں تو اس سلسلہ میں وضاحت کر دیں۔ بہر حال سیٹ عرس رضوی یا اس کے بعد ہی ملے گا۔ مزید تفصیلات کے لیے رابطہ کریں:

رابطہ کا پتہ: امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف، یو۔پی (انڈیا) 243502

Mob: 9259476608 , 08410236467

70واں عرس امجدی

۲؍ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ بمطابق ٦؍اگست ۲۰۱٦ء بروز سنیچر کو فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد اعظمی علیہ الرحمہ (مصنف بہار شریعت) کا عرس مبارک آستانہ امجدیہ گھوسی میں ممتاز الفقہا سلطان الاساتذہ حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری مدظلہ العالی کی زیر سرپرستی منعقد ہوا۔

جس میں ناشر مسلک اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مفتی شمشاد احمد مصباحی نے حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور حضرت صدر الشریعہ رحمہما اللہ کے فقہی مقامات کے موضوع پر جامع تقریر فرمائی۔

مفتی زاہد حسین انگلینڈ اور مفتی کمال اختر چرہ محمد پور نے بھی خطاب کیا۔ شہر کالپی شریف سے تشریف لائے ہوئے مہمان خصوصی عالی جناب حضرت سید غیاث الدین صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہمارے اجداد نے اعلیٰ حضرت سے پیار کیا اور مفتی اعظم ہند سے بھی پیار کیا اور اس وقت بھی ہم لوگ خانوادۂ رضا کے چشم و چراغ حضور تاج الشریعہ سے پیار کرتے ہیں اور حضور صدر الشریعہ سے بھی محبت رکھتے ہیں کیونکہ صدر الشریعہ کا تعلق اعلیٰ حضرت سے رہا ہے اور یہ رشتہ آج بھی برقرار ہے اور حضور محدث کبیر کا تعلق حضور اعلیٰ حضرت و تاج الشریعہ سے خوب گہرا ہے اس لیے ہم خانوادۂ صدر الشریعہ سے بھی محبت رکھتے ہیں۔

مفتی اختر حسین صاحب کا کلیدی خطاب ہوا جس میں موصوف نے اس موضوع پر خطاب کیا کہ اس دور میں ہمارا معاشرہ تکفیر و تضلیل کے معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے۔

حضور محدث کبیر نے بھی تھوڑی دیر نصیحت فرمائی اور داعش کی حقیقت واضح کرتے ہوئے اسے اسرائیلی ایجنٹ قرار دیا۔

مفتی اعظم مہاراشٹرا حضرت مفتی مجیب اشرف مدظلہ العالی کو دعوت خطابت دی گئی۔ حضرت نے انوکھے انداز میں وحی پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ کو وحی نبوت کے ذریعہ حاصل شدہ علوم کا وارث قرار دیا۔ ۱۲:۳۰ منٹ پر قل شریف ہوا۔ جس کے بعد ممبر آف پارلیامنٹ مولانا غلام رسول کا خصوصی خطاب ہوا۔

اس سال عرس کی تقریب میں حضور محدث کبیر کی طرف سے صدر الشریعہ ایوارڈ جامعہ امجدیہ رضویہ کے موقر استاذ حضرت علامہ مفتی شمشاد احمد مصباحی صاحب قبلہ کو عطا کیا گیا۔

پروگرام کے آخر میں حضور محدث کبیر کے مقدس ہاتھوں سے جامعہ ہٰذا سے فارغ ہونے والے مفتیان کرام، علما اور حفاظ و قرا کو دستار فراغت سے نوازا گیا جن کی کل تعداد ۱۵۱ تھی۔ آخر میں حضور محدث کبیر نے حضرت مولانا عبد الرحمٰن استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

رپورٹ: محمد احمد برکاتی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

☆☆☆